جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ
لاہور

بیاد
عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ
بانی جامعہ مدنیہ

رجب المرجب
سنہ ۱۴۱۷ھ

نگران
مولانا سید رشید میاں مدظلہ
مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

دسمبر
سنہ ۱۹۹۶ء

مرسلہ
شاہد اشرف صاحب لاہور

اقوالِ زرّیں

۱۔ جس بات کو لوگوں کی عقل نہ پہنچے وہ اُن سے کہو گے تو بعض کے لیے فتنہ ہوگی۔ الحدیث

۲۔ تین چیزیں پہلی باتوں کو مٹا دیتی ہیں۔ ۱۔ اسلام ۲۔ حج ۳۔ ہجرت۔ الحدیث

۳۔ دُنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنّت۔ الحدیث

۴۔ ابن آدم میرا مال میرا مال کہتا ہے مگر اے ابن آدم تیرا مال صرف وہ ہے جسے تُو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ دے کر ساتھ لے گیا۔

۵۔ مجلس کی باتیں امانت ہیں۔ الحدیث۔

۶۔ دُنیا کی محبّت دل کا اندھیرا ہے اور دین کی محبّت دِل کا نُور ہے۔ فرمان حضرت عثمان غنی رضؓ۔

۷۔ کسی کا دل نہ دکھاؤ اس کے آنسو تمہارے لیے سزا بن جائیں گے۔ الحدیث۔

۸۔ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی عبادت نہیں کہ تُو کسی مُسلمان بھائی کا دل خوش کرے۔ الحدیث۔

۹۔ زیادہ ہنسنے سے دل مُردہ ہو جاتا ہے۔ الحدیث

۱۰۔ غنی وہ ہے جس کا دل اللہ کے سوا ہر چیز سے خالی ہو۔ حضرت علی ہجویری رحؒ۔

۱۱۔ بہترین کمال ادب ہے اور افضل ترین عبادت خیرات ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

۱۲۔ سب سے بڑی مصیبت، مصیبت میں گھبرانا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

۱۳۔ احمق کی عقل اس کی زبان کے پیچھے اور دانا کی زبان اُس کی عقل کے پیچھے ہوتی ہے۔ حضرت علی رضؓ

۱۴۔ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ جلد باز نقصان نہ اُٹھائے۔ اور ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ صبر کرنے والے کامیاب نہ ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

۱۵۔ نیکی پر غرور کرنا نیکی کا اجر ضائع کر دیتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

۱۶۔ ہر ایک چیز کی زکوٰۃ ہے اور عقل کی زکوٰۃ یہ ہے کہ نادانوں کی بات پر تحمّل کیا جائے۔ حضرت علی رضؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۵ رجب المرجب ۱۴۱۷ھ ـ دسمبر ۱۹۹۶ء شمارہ : ۳

مدیر
سید محمود میاں
مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ـ ـ ـ ـ ـ سالانہ ۱۱۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ـ ـ ـ ″ ۴۵ ریال

بھارت، بنگلہ دیش ـ ـ ـ ـ ـ ـ ″ ۱۰ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ″ ۱۶ ڈالر

برطانیہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ″ ۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ ماہ . . . سے آپ کی مُدتِ خریداری ختم ہو گئی ہے، آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور
کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۲۰۱۰۸۶-۷۷۲۴۲۷۳-۷۷۲۴۲۷۳
فیکس نمبر ۷۷۲۶۷۰۲ - ۴۲ - ۹۲

○

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ"، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اِس شمارے میں

حرفِ آغاز ــــــــ ۳

درسِ حدیث ــــــــ حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ ــــــــ ۶

رحمۃ للعالمینؐ اور سیاسی انقلاب ــــــــ حضرتِ اقدس مولانا سیّد محمدؒ میاںؒ ــــــــ ۱۳

شرافتِ انسانی ــــــــ حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب ــــــــ ۲۰

حیلے اور بہانے ــــــــ حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندی شہری ــــــــ ۲۹

حجاب ــــــــ بنتِ حامد بن محمدؒ ــــــــ ۳۶

سفرنامہ ــــــــ جناب ڈاکٹر محمود الحسن ــــــــ ۴۱

تحفۂ اصلاحی ــــــــ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب ــــــــ ۴۷

حاصلِ مطالعہ ــــــــ حضرت مولانا نعیم الدّین صاحب ــــــــ ۵۵

تقریظ و تنقید ــــــــ ۶۰

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہٗ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔انڈیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

سیّد محمود میاں

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ امابعد!

گزشتہ ماہ ۶ نومبر کو صدرِ مملکت جناب فاروق احمد خان لغاری نے پاکستان کی قومی اسمبلی توڑ دی اور وزیرِاعظم بینظیر بھٹو کو برطرف کر کے پیپلز پارٹی کے سابقہ دَور کے اسپیکر قومی اسمبلی ملک معراج خالد کو ملک کا نگران وزیرِاعظم نامزد کر دیا۔ ریڈیو اور ٹی وی پر قوم سے خطاب میں ایک اہم اعلان یہ کیا کہ آج سے ملک میں وی آئی پی کلچر کا خاتمہ کر دیا گیا ہے اور ملک کے ہوائی اڈوں پر تمام وی آئی پی رومز بند کر دیے گئے ہیں۔ تاکہ سادگی اختیار کر کے غیر ضروری اخراجات میں کمی ہو کر خزانہ پر بوجھ کم ہو۔ نیز سرکاری خرچ پر سیاست دانوں اور بڑے بڑے سرکاری افسران کے بیرونِ ملک علاج پر پابندی لگانے کا اعلان کیا گیا۔

صدر صاحب کے مذکورہ بالا اعلانات اور فیصلے بظاہر بہت اچھے اور پُرکشش ہیں نگران وزیرِاعظم اور بعض وزراء نے اس پر ایک حد تک عمل بھی کیا ہے، وہ عام گاڑی میں سفر کرتے ہیں اس پر جھنڈا بھی نہیں ہوتا، اور ان کے لیے ٹریفک کو بھی نہیں روکا گیا، اور ہوائی اڈّوں پر عام راستوں سے آتے جاتے ہیں۔ دوسری طرف سادگی کی علمبردار نگران حکومت کے چند وزرائے اعلیٰ وفاقی اور صوبائی وزراء نے اپنی ہی حکومت کی سادگی پسند پالیسی کا بڑی دیدہ دلیری سے عملی تمسخر اُڑایا ہے۔ نگران وزیرِاعظم نے عام مسافروں کے ساتھ جہاز میں سفر کیا، مگر پنجاب کے وزیرِاعلیٰ نے لاہور سے اسلام آباد کا سفر خصوصی جہاز سے کیا اور عجیب بات یہ ہے کہ وزیرِاعظم اُن کے خلاف کوئی اقدام نہ کر سکے بلکہ واپس لاہور بھی وہ خصوصی جہاز سے آئے جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ ان سے اُسی وقت استعفیٰ لے کر بذریعہ ٹرین لاہور پارسل کر دیا جاتا۔ اسی طرح سندھ کے

وزیرِ اعلیٰ دی آئی پی رُوم کو خصوصی طور پر اپنے استعمال میں لائے، ایک اور وفاقی وزیر بیگم عابدہ حسین نے جہاز کی عام کلاس میں سفر کرنے سے انکار کیا۔ ان کی وجہ سے جہاز کی روانگی میں ایک گھنٹہ تاخیر ہوگئی، بالآخر انھوں نے فرسٹ کلاس ہی سے سفر کیا۔ جس حکومت کے وزراء کی چوری اور سینہ زوری کا یہ عالم ہو کہ صدر اور وزیرِاعظم بھی اُن کے سامنے بے بس ہوں بلکہ یُوں معلوم ہو رہا ہو جیسے اپنے ماتحتوں کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہے ہوں اُس حکومت سے شفاف احتساب اور منصفانہ انتخابات کی توقع کیونکر کی جاسکتی ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سادگی کا اعلان ترغیبات اور علی ایوانوں کے باہر ہی باہر چند چیزوں میں نمائشی طور پر اختیار کیا گیا ہے اسی لیے ان وزراء کے خلاف حکومت تاحال کوئی اقدام نہ کرسکی، کیونکہ ان کے خلاف کارروائی کی صُورت میں حکومت کو یہ خطرہ ہوسکتا ہے کہ یہی وزراء ایوانوں کے اندر اور باہر ہونے والی شاہ خرچیاں آشکارہ کرسکتے ہیں جس سے نگران حکومت کی ساکھ خراب ہوگی۔

ہمارا مشورہ ہے کہ صدر اور وزیرِاعظم تینوں مسلح افواج کے سربراہان اسی طرح سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے چیف ججز گھروں کے اندر اور باہر ہر سطح پر سادگی کے عمل کو پہلے اپنے سے شروع کریں بعد ازاں دوسروں سے بھی اس پر سختی سے عمل کرائیں تب تو اس سلسلہ میں بہتر نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے ورنہ تو یہ عمل ضیاء الحق کی سائیکل اور نواز شریف کی ون ڈش کی حد تک محدود رہے گا۔

سادگی کے فوائد ہمہ گیر ہیں اس سے معاشرہ میں خوشحالی اقتصادی ترقی بہت تیز رفتاری کے ساتھ ہر طبقہ میں پھیل جاتی ہے۔ طبقاتی منافرت اور حد بندیاں ختم ہوجاتی ہیں۔ برابری کی بُنیاد سماج کو فراہم ہوتی ہے۔ غرض بے انتہاء دُنیاوی فوائد کے ساتھ ساتھ آخرت کی بہتری بھی سادگی اپنانے میں ہے۔ ابو داؤد میں حدیث شریف ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے۔ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِيْمَانِ (کذا فی المشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۷۵) کیا تم سُنتے نہیں کیا تم سُنتے نہیں بے شک سادگی ایمان کی علامت ہے بے شک سادگی ایمان کی علامت ہے۔

سادگی کے لیے چند تجاویز یہ ہیں کہ ہوائی سفر کی سہولت ختم کردی جائے، صدر سمیت سب عہدہ دار ریل گاڑی سے سفر کریں۔ صدر اور وزیرِاعظم فوری ضرورت کے وقت عام جہاز سے سفر کرسکیں تمام وزراء کو فلیٹوں میں رہائش دی جائے، بڑے بڑے بنگلے مختلف اداروں اور کمپنیوں کو کرائے پر دے دیے جائیں اس سے خزانہ بھی مستحکم ہوگا اور ریلوے سروس میں خود بخود بہتری پیدا ہوکر خرابیاں دُور ہوجائیں گی اور یُوں

بُنیادی سفری سہولتوں سے محروم عام آدمی بھی سُکھ سے سفر کر سکے گا

صدر سمیت ہر عہدہ دار کی تنخواہ میں معقول اضافہ کر کے تمام مراعات ختم کر دی جائیں۔ اپنے اور اہل و عیال کے تمام ذاتی اخراجات نیز علاج معالجہ اپنی جیب سے ادا کیا جائے اس طرح بجٹ تنخواہ کی مد میں چند کروڑ کے اضافہ سے دو چار تو ہوگا، مگر بیجا مراعات پر صرف ہونے والا اربوں روپیہ بچایا جا سکے گا اور ہر عہدہ دار کو آٹے دال کا بھاؤ بھی از بر رہے گا۔ اس طرح حکمرانوں کو عام آدمی کے مسائل کا اندازہ گھر بیٹھے بسہولت اور بخوبی ہوتا رہے گا اور یوں عوام کے بہت سے مسائل اور پریشانیاں بغیر احتجاج اور ہڑتالوں کے حل ہو جایا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

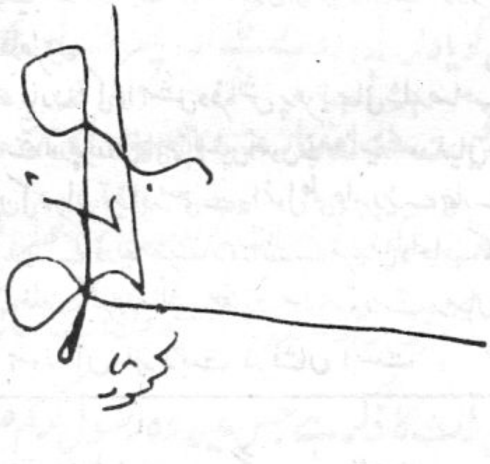

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

مولای صلِّ وسلِّم دائماً ابداً علیٰ حبیبک خیر الخلق کلّہم

درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہوکر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مُبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔
محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنھوں نے مولانا سیّد محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔
ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالہ "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین واحباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔
واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است ... خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۱۳ سائیڈ اے ۱۳۔ اگست ۱۹۸۲ء

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا ومولانا محمّد وّآلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد: عَنْ عُمَرَ ذُکِرَ عِنْدَہٗ اَبُوْ بَکْرٍ فَبَکٰی وَقَالَ وَدِدْتُّ اَنَّ عَمَلِیْ کُلَّہٗ مِثْلُ عَمَلِہٖ یَوْمًا وَّاحِدًا مِّنْ اَیَّامِہٖ وَلَیْلَۃً وَّاحِدَۃً مِّنْ لَّیَالِیْہِ، اَمَّا لَیْلَتُہٗ فَلَیْلَۃٌ سَارَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْغَارِ فَلَمَّا انْتَہَیَا اِلَیْہِ قَالَ وَاللّٰہِ لَا تَدْخُلُہٗ حَتّٰی اَدْخُلَ قَبْلَکَ فَاِنْ کَانَ فِیْہِ شَیْءٌ اَصَابَنِیْ دُوْنَکَ فَدَخَلَ فَکَسَحَہٗ وَوَجَدَ فِیْ جَانِبِہٖ ثُقْبًا فَشَقَّ اِزَارَہٗ وَسَدَّہَا بِہٖ وَبَقِیَ مِنْہَا اثْنَانِ فَاَلْقَمَہُمَا رِجْلَیْہِ ثُمَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ادْخُلْ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَوَضَعَ رَاْسَہٗ فِیْ حَجْرِہٖ وَنَامَ فَلُدِغَ اَبُوْ بَکْرٍ فِیْ رِجْلِہٖ مِنَ الْجُحْرِ وَلَمْ یَتَحَرَّکْ مَخَافَۃَ اَنْ یَّنْتَبِہَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَقَطَتْ دُمُوْعُہٗ عَلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَالَکَ یَا اَبَا بَکْرٍ قَالَ لُدِغْتُ فِدَاکَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ فَتَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَذَھَبَ مَا یَجِدُہٗ ثُمَّ انْتَقَضَ عَلَیْہِ وَ کَانَ سَبَبَ مَوْتِہٖ، وَاَمَّا یَوْمُہٗ فَلَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ارْتَدَّتِ الْعَرَبُ وَ قَالُوْا لَا نُؤَدِّیْ زَکٰوۃً فَقَالَ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالًا لَجَاھَدْتُّھُمْ عَلَیْہِ فَقُلْتُ یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَاَلَّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِھِمْ فَقَالَ لِیْ اَجَبَّارٌ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ وَ خَوَّارٌ فِی الْاِسْلَامِ اِنَّہٗ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْیُ وَ تَمَّ الدِّیْنُ اَیَنْقُصُ وَ اَنَا حَیٌّ"۔[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) اُن کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا ذکر چھڑ گیا تو وہ (ان کی پاکیزہ و بلند قدر زندگی کو یاد کر کے) رونے لگے اور پھر بولے: مجھ کو آرزو ہے کہ کاش میری پوری زندگی کے اعمال (قدر و قیمت کے اعتبار سے) حضرت ابوبکر رضؓ کے صرف اس ایک دن کے عمل کے برابر ہو جاتے جو (آنحضرتؐ کے زمانۂ حیات کے بعد کے) دنوں میں سے ایک دن تھا۔ یا ان کی اس ایک رات کے عمل کے برابر ہو جاتے جو (آنحضرتؐ کے زمانۂ حیات کی) راتوں میں سے ایک رات تھی۔ یہ اُن کی اس رات کا ذکر ہے جس میں وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر ہجرت پر روانہ ہوئے اور غارِ ثور ان کی پہلی منزل بنا تھا، جب آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکر رضؓ اس غار پر پہنچے (اور آنحضرتؐ نے غار میں داخل ہونا چاہا) تو حضرت ابوبکر رضؓ نے کہا: خدا کے واسطے آپؐ اس غار میں ابھی داخل نہ ہوں، پہلے میں اندر جاتا ہوں تاکہ اگر اس میں کوئی موذی چیز (جیسے سانپ بچھو وغیرہ) ہو اور وہ ضرر پہنچائے تو مجھ کو ضرر پہنچائے نہ کہ آپؐ کو۔ اور (یہ کہہ کر) حضرت ابوبکر رضؓ (آنحضرتؐ سے پہلے) غار میں داخل ہو گئے اور اس کو جھاڑ جھٹک کر صاف کیا۔ اُنھوں نے غار کے ایک کونے میں کئی سوراخ بھی دیکھے تھے اُن میں سے بیشتر سوراخوں کو اُنھوں نے اپنے تہبند میں سے چیتھڑے پھاڑ کر بند کر دیا اور جو دو سوراخ (اس وجہ سے) باقی رہ گئے تھے (کہ ان کو بند کرنے کے لیے تہبند کے چیتھڑوں میں سے کچھ نہیں بچا تھا) اُن کے منہ میں وہ اپنے

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص۵۵۶

دونوں پاؤں (کی ایڑیاں) اَڑا کر بیٹھ گئے (تاکہ کسی زہریلے اور موذی جانور کے نکلنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔) پھر اُنھوں نے رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا کہ اب اندر تشریف لے آئیے چنانچہ رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم غار میں داخل ہُوئے اور اپنا سر مُبارک حضرت ابوبکرؓ کی گود میں رکھ کر سو گئے۔ اسی دوران ایک سوراخ کے اندر سے سانپ نے حضرت ابوبکرؓ کے پاؤں میں کاٹ لیا، لیکن (وہ اسی طرح بیٹھے رہے اور) اس ڈر سے اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کی کہ کہیں رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم جاگ نہ جائیں آخر کار (شدّتِ تکلیف سے) ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل گئے۔ اور رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چہرہ مُبارک پر گرے (جس سے آپ کی آنکھ کھل گئی) آپؐ نے (ان کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تو) پوچھا: ابوبکرؓ یہ تمہیں کیا ہُوا؟ اُنھوں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے (کسی زہریلے جانور یعنی سانپ نے) کاٹ لیا ہے۔ آنحضرتؐ نے (یہ دیکھ کر) اپنا مُبارک لعابِ دہن (اُن کے پاؤں میں کاٹی ہوئی جگہ پر) ٹپکا دیا اور (تکلیف واذیت کی) جو کیفیّت اُن کو محسوس ہو رہی تھی، وہ جاتی رہی۔ اسی سانپ کا وہ زہر تھا جو حضرت ابوبکرؓ پر دوبارہ اثر انداز ہُوا۔ اور اسی کے سبب ان کی موت واقع ہُوئی۔

اور اُن کا وہ دن (کہ جس کے بارے میں میری آرزُو ہے کہ کاش میرے زندگی بھر کے اعمال ان کے صرف اس دن کے عمل کے برابر قرار پائیں) وہ دن تھا جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس دُنیا سے رحلت فرمائی تھی۔ اور بعض عرب قبائل مرتد ہو گئے تھے، ان (قبائل کے) لوگوں نے کہا تھا کہ ہم زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکرؓ کا کہنا تھا کہ اگر یہ لوگ (زکوٰۃ میں اُونٹ کے پاؤں باندھنے کے بقدر) رسی بھی دینے سے مجھے انکار کریں گے تو یقیناً میں اُن سے جہاد کروں گا۔ میں نے (ان کا یہ فیصلہ سُن کر) عرض کیا تھا: اے خلیفۂ رسول اللہ (یہ بڑا نازک موقع ہے آپ کو لوگوں سے اُلفت وخیر سگالی کا برتاؤ اور نرمی کا سلوک کرنا چاہیے۔ حضرت ابوبکرؓ نے (بڑے تیکھے لہجہ میں) مجھے جواب دیا تھا کہ تم اپنے زمانۂ جاہلیّت ہی میں غیور و بہادر اور قوی و غُصّہ وَر تھے! اور اب اپنے زمانۂ اسلام میں بُزدل و پست ہمّت ہو گئے ہو؟ اس حقیقت کو نہ بھولو کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا

ہے اور دین کامل ہو چکا ہے۔ ایسی صورت میں دین کمزور و ناقص ہو جائے۔ ایسا میں اپنی زندگی میں ہرگز نہیں ہونے دوں گا"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک واقعہ منقول ہے کہ ان کے سامنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا تو وہ رونے لگے اور فرمایا وَدِدْتُّ اَنَّ عَمَلِیْ کُلَّہٗ مِثْلُ عَمَلِہٖ یَوْمًا وَّاحِدًا مِّنْ اَیَّامِہٖ کہ میرے سارے عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک دن کے عمل کے برابر ہو جائیں وَلَیْلَۃً وَّاحِدَۃً مِّنْ لَّیَالِیْہٖ اور اُن کی ایک رات کے برابر ہو جائیں۔ جو راتیں اُنھوں نے گزاری ہیں جو دِن اُنھوں نے گزارے ہیں ان میں سے ایک دن کے عمل کے برابر اور ایک رات کے عمل کے برابر ہو جائیں تو یہ میری تمنّا ہے کاش ایسا ہو جائے کہ میرے سارے عمل مل کر اللہ کے یہاں اُس درجے کو پہنچ جائیں۔

رات کے عمل سے کونسا عمل مُراد ہے اور دِن کے عمل سے کونسا عمل ہے (تو فرمایا کہ) رات کا عمل تو وہ ہے۔ فَلَیْلَۃٌ سَارَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْغَارِ یعنی میری مُراد وہ رات ہے۔ جب اُنھوں نے جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ سفر کیا اور غار تک پہنچے فَلَمَّا انْتَھَیَا اِلَیْہِ۔ جب غارِ ثور تک پہنچے ہیں تو وہاں عرض کرنے لگے وَاللّٰہِ لَا تَدْخُلُہٗ حَتّٰی اَدْخُلَھَا۔ آپ اس میں پہلے نہ جائیں پہلے میں جاؤں گا۔ فَاِنْ کَانَ فِیْہِ شَیْءٌ اَصَابَنِیْ دُوْنَکَ اگر اس میں کوئی چیز ہوئی کوئی جانور ہوا کوئی زہریلی چیز ہوئی تو مجھے لگے گی وہ، جناب کو نہ تکلیف پہنچے، روک دیا، اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کے اس روکنے کو منظور فرمالیا فَکَسَحَہٗ اُنھوں نے اس کو صاف کیا جیسے جھاڑو دیتے ہیں۔ وَوَجَدَ فِیْ جَانِبِہٖ ثُقُبًا اُس کے ایک سرے پر اُنھوں نے یہ محسوس کیا کہ ادھر کچھ سُوراخ ہیں، سُوراخوں میں جانور ہوا کرتے ہیں فَشَقَّ اِزَارَہٗ اُنھوں نے اپنا ایک کپڑا پھاڑا تہبند کی طرح کا وہ پھاڑا۔ وَسَدَّ ھَابِہٖ اور وہ پھاڑ پھاڑ کر اس میں لگا دیا۔ سُوراخ بند کر دیے وَبَقِیَ مِنْھَا اثْنَانِ۔ دو سوراخ پھر بھی رہ گئے اور وہ جو کپڑا تھا۔ تہبند کی قسم کا وہ ختم ہوگیا فَاَلْقَمَھُمَا رِجْلَیْہِ۔ اُن میں اُنھوں نے اپنے پاؤں جیسے لقمہ ہوتا ہے اس طرح اُن کو ڈال دیا۔ اُن میں ایڑی لگادی یا انگوٹھا لگا دیا۔ پھر جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا اُدْخُلْ تشریف لے آئیے، آپ تشریف لے آتے، اور اُنھوں نے عرض کیا ایسے کر لیجیے کہ یہ میری جو گود ہے اس میں سر مُبارک رکھ لیجیے آپ نے اُسے بھی مان لیا وَنَامَ اور آپ کو نیند بھی آگئی فَلُدِغَ

اَبُوْ بَكْرٍ فِيْ رِجْلِهٖ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں وہاں سانپ تھا اُس نے کاٹ لیا مِنَ الْجُحْرِ وَلَمْ يَتَحَرَّكْ مَخَافَةَ اَنْ يَّنْتَبِهَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سانپ نے ڈسا ہو اور پھر بھی بندہ برداشت کر لے یہ بہت مشکل کام ہے اس اندیشے سے کہ کہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند خراب نہ ہو۔ آپ نیند سے بیدار نہ ہو جائیں، لیکن وہ ایسی تکلیف تھی کہ اس کے اثر سے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ حرکت تو اُنھوں نے نہیں کی لیکن اس کا زہر تھا۔ شدید لہر تھی آنکھ سے آنسو جاری ہوئے ایک آنسو گر گیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یا چند آنسو گر گئے تو اس سے آپ کی آنکھ کھل گئی آپ نے فرمایا مَالَكَ يَا اَبَا بَكْرٍ قَالَ لُدِغْتُ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ سانپ نے کاٹ لیا ہے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں

اس ساری چیز میں آپ دیکھ لیں دونوں حضرات چل کر گئے ہیں چڑھائی چڑھے ہیں سوا گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کی بہرحال گھنٹے سے زیادہ کی چڑھائی ہے، چڑھ کر ہی تھک جاتا ہے آدمی لیکن اُنھوں نے یہ نہیں عرض کیا کہ میں بھی تھک گیا ہوں جناب بھی تھک گئے ہیں چلیے دونوں لیٹیں جا کے یہ بات نہیں بلکہ وہاں جا کر مستعدی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور یہ عرض کر رہے ہیں کہ میں اندر جاؤں گا، پھر جناب تشریف لے جائیں اس میں، اور مستعدی کے علاوہ یہ قربانی ہے کہ اگر کوئی چیز ہو تو مجھے لگے جناب بچ جائیں۔ پھر اندر جا کر اُنھوں نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ سوراخ ہے اور غیر آباد علاقہ ہے۔ یہاں خطرناک چیز ہو سکتی ہے اُنھوں نے اپنے دونوں پاؤں اُس پر لگا دیے، اور اندر جا کے بیٹھ کر پھر بھی یہ نہیں کرتے کہ میں بھی تھوڑا سا لیٹ لوں، کمر سیدھی کر لوں تھوڑی سی یہ بھی نہیں کرتے بلکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جیسے کہ بالکل سچ مچ فدا تھے۔ عرض کرتے ہیں کہ جناب لیٹ لیجیے تھوڑی سی دیر آپ آرام فرما لیجیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں انتہائی مقبولیت ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کہ آپ کو ان کی گود میں نیند بھی آگئی، اس کے بعد درجہ ہے یہ آخری جو آرہا ہے اس میں ہے کہ سانپ نے ڈس لیا جب سانپ نے ڈس لیا پھر تو اُٹھا دینا چاہیے تھا کہ حضرت یہ قصہ پیش آگیا کون اتنا احترام رکھ سکتا ہے۔ اور اس میں بے حرمتی کی بھی بات کوئی نہیں تھی لیکن جو خاص کیفیت ہوتی ہے انتہا درجے محبت کی اُس کے منافی تھا۔ للذا یہ بھی نہیں کیا۔ برداشت ہی کرتے رہے۔ اب فطرت کو دیکھو کسی کو بھی قابو نہیں یہ تو فطری بات ہے کہ آنکھ سے آنسو بہہ گئے کپڑے تو تھے نہیں، رومال تو تھا نہیں کہ پونچھتے رہتے وہ گر بھی گئے کچھ کپڑوں

پر گرے ہوں گے کچھ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چہرۂ اقدس پر گر گئے ہوں گے کیونکہ گود میں تھا چہرۂ مُبارک، اور پھر جب آپ بیدار ہُوئے دریافت فرمایا کیا بات ہے پھر بھی بے تابی کا کوئی مظاہرہ نہیں کیا۔ پُورا ادب اسی طرح ملحوظ ہے اور عرض کر رہے ہیں لُدِغْتُ اور ساتھ ہی کہہ رہے ہیں فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ یہ جملہ بھی ساتھ تھا۔ اتنی زیادہ قربانیاں اتنا زیادہ اَدب اور اتنا زیادہ قرب، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رات جو گزری ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے سارے عملوں میں سے آدھے عمل اگر اس ایک رات کے بدلے میں چلے جائیں تو یہ مجھے پسند ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ایسا ہو جائے۔

بہت مشکل کام ہے یہ اور بڑا قیمتی ہے کیونکہ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات اقدس سے اس کا تعلّق ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کا پاؤں لے لیا اور اُس پر تُھتکارا کچھ یعنی پھُونک کے ساتھ لعابِ دہن بھی گزرا اور لگا ہے۔ فرماتے ہیں وہ فَذَهَبَ مَا يَجِدُهٗ جو تکلیف محسوس ہو رہی تھی وہ جاتی رہی وہ زہر ٹھیک ہو گیا جیسے جھاڑنے سے ٹھیک ہو جاتا ہے ثُمَّ انْتَقَضَ عَلَيْهِ

اس کے بعد آخری دَور میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت میں رہ یہ زہر اس وقت تک پوشیدہ رہا، اُس وقت، اُس کا اثر نمودار ہُوا۔ وَكَانَ سَبَبَ مَوْتِهٖ

یہ ہی حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب بنا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اجر دینا تھا شہید کا کہ اُن کو اس طرح شہید کا اجر مل جائے باقی تینوں حضرات تو ہُوئے ہی شہید ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہ تو ہتھیاروں سے شہید ہوئے ہیں۔

اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی زہر دیا تھا خیبر والے یہودیوں نے اور اُس زہر سے جو لوگ اس کھانے میں شریک تھے کچھ صحابۂ کرام جنھوں نے وہ نگل لیا تھا وہ جانبر نہیں ہو سکے وفات پا گئے لیکن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو لقمہ اُٹھایا تو بتا دیا لقمے نے کہ میرے اندر زہر ہے وہ آپ نے اندر رکھا تھا مُنہ میں اور نکال دیا تھا، لیکن اتنا تیز تھا اور اس قسم کا تھا وہ زہر کہ اُس کا اثر محسوس فرماتے رہے حتّٰی کہ وفات کے قریب

بخاری شریف میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ نے فرمایا وَجَدْتُّ انْقِطَاعَ اَبْهَرِیْ مِنْ ذَالِكَ السَّمِّ وہ جو مجھے زہر دیا گیا تھا اُس سے مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میری شہ رگ

جیسے کٹ رہی ہو یا کٹ گئی ہو مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے۔ وہ اجر ہوگیا شہادت کا۔ یہاں بھی شہادت کا اجر ہوگیا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اور باقی تین جو ہیں وہ اس طرح سے شہید ہوئے ہیں وہ اسلحہ سے شہید ہوئے ہیں تو جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ رات ہے تو وہ فرماتے ہیں (یہ تو بہت بڑی قیمتی رات ہے۔ جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات اقدس سے اس کا تعلق ہے اور سارا فیض ذات ہی سے ہُوا جس چیز کا تعلّق ذاتِ اقدس سے ہو وہ سب سے قیمتی ہے) کہتے ہیں کہ میرے آدھے عمل چلے جائیں ابوبکر لے لیں رضی اللہ عنہ اور ایک رات کا یہ عمل مجھے دے دیں۔

آدھے اعمال کے بدلے میں فرماتے ہیں وَدِدْتُّ تو مجھے یہ پسند ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ ایسے ہو جائے، مجھے یہ محبوب ہے کہ ایسے ہوجائے، یہ سودا مہنگا نہیں ہے بلکہ یہ سودا انفع کا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُن کی محبّت دے اور آخرت میں ان کے ساتھ محشور فرمائے۔

❖❖❖❖

انتقالِ پُرملال

گزشتہ ماہ کی ۲۲ تاریخ بروز جمعہ حضرت اقدس بانی جامعہ مدنیہ کے دیرینہ رفیق وعقیدت منداور ڈیرہ اسمٰعیل خان کی ممتاز سماجی شخصیّت جناب عبدالکریم صاحب صابر وفات پاگئے۔ اِنّا لِلّٰہ واِنّا الیہ راجعون۔

مرحوم بہت سی خُوبیوں کے مالک تھے۔ بہت اچھے شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بزرگانِ دین اور عُلماء کے بہت قدر دان تھے۔ بیعت کا تعلّق حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریرات صفحوں کے صفحے ازبر یاد کر رکھے تھے جن کو بہت جوش اور ولولہ سے فرفر سُنایا کرتے۔ مجلسی اور زندہ دِل انسان تھے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی خطاؤں سے درگزر فرماکر اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور اُن کی اولاد کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ادارہ اُن کے غم میں برابر کا شریک ہے جامعہ میں مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب بھی کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

❖❖❖❖

قسط: ۳

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

اور

سیاسی انقلابات

ذیل میں حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمہ اللہ کی ایک نادر تحریر پیش کی جا رہی ہے جو آپ نے رحمۃ للعالمین اور سیاسی انقلابات کے عنوان سے لکھی تھی۔ آپ کی یہ تحریر عرصہ سے نایاب تھی حال ہی میں ادارہ کو ایک قدیم لائبریری سے دستیاب ہوئی تھی۔ (ادارہ)

تیسرا باب

ظہورِ اسلام سے پیشتر عالم انسانی کی تباہ حالی

سینکڑوں قلم اس بحث پر حرکت کر چکے ہیں۔ ہمیں تفصیل کی ضرورت نہیں۔ ربط مضمون کے لیے چند اشارات پیش کیے جاتے ہیں۔

عرب دُنیا کا ایک پاک خطّہ تھا جس کو خُدا نے اس مقدس بیت کے لیے منتخب کیا تھا۔ جو کروڑہا مخلوق کے لیے قبلہ بنایا گیا جس کی زمین کو سب سے پہلی زمین بتایا گیا، جو عالمِ وجود میں ظہور پذیر ہوئی اور جس کے شہر کو معمورۂ ارض کا مرکز قرار دیتے ہوئے "اُمّ القریٰ" کہا گیا۔

مگر درندگی اور فرعونیت اگر کسی مخلوق پر ناز کر سکتی ہے تو وہ یہی مخلوق تھی جو اس مقدس خطّہ میں اس وقت آباد تھی۔ بلا شبہ اس قوم میں شجاعت، خودداری، حریت، سخاوت کے جواہر بھی موجود تھے۔ مگر درندگی اور فرعونیت نے اُن جواہر کو تہ بتہ گندگی میں اس طرح چھپا دیا تھا کہ اگر اخلاق کے ان جواہر اور موتیوں کا ظہور بھی ہوتا تو اسی گندگی اور تعفن کے ساتھ، شجاعت اور خودداری کا بہترین مظہر یہ تھا کہ باپ اپنی ننھی سی

بچّی کو اس لیے قتل کر دے کہ داماد کی غیرت ناک صُورت نہ دیکھنی پڑے۔

سخاوت کا جلوہ گاہ۔ شراب اور جوے کی بزم ہوتی تھی۔ جوان مجالس سے بچتا وہ بخیل تھا۔ ان خبیث اخلاق پر فخر کرنا۔ فرعونیت کا پہلا سبق تھا۔

باپ دادا کے انہیں اخلاق پر فخر۔ یہ اولاد کا منصبی فرض تھا جس پر جان قربان کرنا مقدّس جہاد تھا۔ فخر و غرور پر ادنیٰ ترین زد کے وقت خُون آشام تلواروں کا میانوں سے نکل کر ابنارِ عم کے سینوں میں پہنچ جانا ایک نسلی فریضہ تھا۔ جو کسی حالت میں بھی نظر انداز نہ ہو سکتا تھا۔

شجاعانہ اخلاق کے ظالمانہ اور متکبرانہ ظہور نے سارے عرب کو دائمی جنگ کا میدان بنا دیا تھا جہاں چلنا پھرنا، تجارت، زراعت، صنعت، حرفت۔ ہر چیز تباہ ہو چکی تھی۔

عرب کی ساری مخلوق۔ مدنیت سے کوسوں دور تھی۔ ہر ایک قبیلہ علیحدہ، قوم علیحدہ، ملک علیحدہ وطن تھا جس کو اپنی قوت پر دُنیا میں زندہ رہنا تھا۔

بلا شُبہ موت کا خوف اُن کے دِل سے دُور ہو گیا تھا، مگر ان کی قومی زندگی بہت محدود تھی۔ اُن کے تعلقات اس سے بھی زیادہ محدود۔ اور ترقّی کے راستے قطعًا مسدود ایک قبیلہ کا سب سے بڑا سرمایہ اُس کا چشمہ تھا جس کے گرداگرد اُس کے اُونٹ اور بکریوں اور بھیڑوں کے گلے چرتے تھے۔ جن کے دُودھ سے وہ زندگی بسر کرتے۔ کھال کے خیمے، ڈول، مشکیزے بناتے، بالوں کو بٹ کر اور کات کر پہننے کے لیے کمبل بنا لیتے یہ ان کی اقتصادی کائنات تھی۔

ذائقہ بدلنے کو طبیعت چاہتی تو جنگل کے جانوروں کا شکار کر لیتے۔ جب اُن کا چشمہ خشک ہو جاتا۔ یا اُونٹ اور بکریوں میں کمی ہو جاتی تو کسی قبیلہ کو جا کر لوٹ لاتے۔ یہ اُن کی سیاست تھی۔ وہ خود کو تمام دُنیا سے شریف کہا کرتے تھے، مگر افسوس صحیح شرافت کا احساس بھی مفقود تھا۔

وہ سات قصیدے جو آج تک سبع معلقات کے نام سے مشہور ہیں اور جن کا عکاظ کے میلے میں یکے بعد دیگرے سُنایا گیا تھا اور جن کی فصاحت پر عرب اس قدر گرویدہ تھے کہ ان کو خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کیا جاتا تھا۔ اور بڑے بڑے متکبّروں کی پیشانیاں ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتی تھیں۔ اُن کو اگر پڑھا جائے۔ تو آپ کی تہذیب بہت سے اشعار کا ترجمہ کرنے سے بھی شرمائے گی۔

یہی نہیں کہ صرف حُسن و عشق اور شراب و کباب کے تذکرے سے وہ پُر ہیں بلکہ اُن کی تہذیب کا

مرقع وہ اشعار ہیں جن میں عیاشی کی پردہ دار کیفیتوں کو مزے لے کر بیان کیا گیا ہے۔

دُنیا کو تعجّب ہونا چاہیے کہ اس فرعونیت، غُرور اور تمرد کے ساتھ ان کا احساس کس قدر تباہ تھا۔ ان کو شرم نہ آتی تھی کہ وہ اپنی مغرور اور سخت گردنوں کو پتھروں کے سامنے جھکا دیں۔ ان کو دیوتا مان کر ان کے سامنے گڑگڑائیں۔ اور برہنہ ہوکر اُن کے گرداگرد طواف کریں۔

عرب بہر حال غیر منظم تھے۔ جاہل تھے، غیر مہذب تھے۔

مگر اُن ممالک پر نظر ڈالیے۔ جن کو تہذیب اور تمدّن کا گہوارہ کہا جاتا تھا۔

ہمیں اپنے عزیز وطن۔ ہندوستان کے متعلق سب سے پہلے بحث کرنی ہے۔ جہاں ہم پیدا ہوئے جہاں ہمیں رہنا ہے اور جس کی زمین میں ہمیں دفن ہونا ہے۔ جس کو آج ہم مقدس وطن بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اسلام کے ہزاروں لاکھوں چاند تارے مدفون ہیں۔

جو وطن ہزاروں مقدس اولیاء اللہ کا مسکن اور مدفن ہے۔ کیا وہ مقدس نہیں؟

ہندوستان کی قدیم تاریخ کا پتہ چلنا مشکل ہے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ اس وطن کے غرور اور تکبّر کی تاریخ تمام دُنیا سے نرالی ہے۔

بہت پہلے کی بات ہے ہندوستان ایک قوم سے آباد تھا۔ برہمن اور شودر کی تفریق یہاں نہ تھی۔ یہی قوم ہندوستان کی حاکم اور مالک تھی، مگر ایران کی طرف سے ایک دوسری قوم نے آکر ہندوستان فتح کرلیا، اس فاتح قوم (ایرین یا آریہ) نے اپنی قوم کے تین درن مان کر اُونچے اُونچے کام اُن کے سپرد کیے اور چوتھا کام یعنی ان تینوں کی خدمت کرنا غریب شودر کا کام قرار دیا۔ جو ہندوستان کا پہلا مالک اور راجا تھا۔ اور پھر اس لیے کہ کسی وقت یہ مفتوح قوم مقابلہ کی طاقت نہ پیدا کر لے۔ منوجی نے اپنے خاص قانون میں جس کو "منوسمرتی" کہا جاتا ہے۔ فیصلہ کر دیا کہ

(الف) اچھوت کو علم سے محروم رکھا جائے۔

جو شخص شودر کو دھرم اور برت کا اپدیش دیتا ہے وہ مع اس شودر کے اسمبرت نام نرک (دوزخ) میں جاتا ہے۔ منوسمرتی۔ شلوک ۸۱ ادھیائے ۴۔ شودر کے پاس پڑھے بھی نہیں شلوک ۹۹۔ ادھیائے ۴

(ب) اچھوت سے معاشرتی بائیکاٹ رکھا جائے۔ یعنی شادی بیاہ تو درکنار۔ اُن کے پاس بھی نہ بیٹھا جائے۔ اُن کے جُرم کی سزا اُن سے دوگنی چوگنی لی جائے۔

چانڈال وغیرہ جس عضو سے "بڑے" آدمیوں کے عضو پر ضرب کرے۔ اُس عضو کو کاٹ ڈالنا بھی منو جی کا حکم ہے۔ سلوک ۲۷۹۔ ادھیائے ۸

برہمن، کھتری، ویش، تینوں ورن اگر محبّت کی وجہ سے نیچ ذات کی لڑکی سے دواہ کریں تو اپنے کل کو جلد ناش کر دیتے ہیں۔ شلوک ۱۵۔ ادھیائے ۳

(ج) حکومت، دولت تمدّن، شہری اور مجلسی حقوق سے شودر کو محروم رکھا جائے ۳

چانڈال۔ سوپج۔ یہ دونوں گاؤں کے باہر قیام کریں۔ برتن وغیرہ سے محروم رہیں۔

ان کی دولت سگ و خر ہے۔ شلوک نمبر ۵۱ ادھیائے نمبر ۱۰

آپ نے ملاحظہ کیا۔ انسانی غرور کا تماشا۔ معاذ اللہ۔ یہ ہے فاتح قوم کا مفتوح کے ساتھ معاملہ۔

کلیجہ مُنہ کو آنے لگتا ہے۔ تصوّر سے دِل کانپ جاتا ہے (الامان۔ الحفیظ)

خُدا کی لاتعداد مخلوق ہے۔ آدم کے بے شمار بیٹے ہیں، مگر کس طرح غُرور و تکبّر کی چکّی میں انتہائی ذلّت کے ساتھ پیسے گئے۔ افسوس صد افسوس

انسانیت لرزہ براندام ہے۔ آدمیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہ تقسیم فطرت کے اُصول پر تھی۔ یعنی جس شخص کو فطری طور پر تعلیم و تعلم سے رغبت ہو۔ وہ برہمن ہُوا۔ جس میں شجاعت اور دلیری فطری ہو وہ کھشتری ہُوا۔ اور جس کی طبیعت میں نظم و ضبط ہو۔ وہ ویش ہو گیا، اور جو ان تینوں صلاحیتوں سے خالی ہُوا۔ وہ ان سب کا خادم قرار دیا گیا، کیونکہ اس کی فطرت اسی طرف چلتی ہے۔ اس کے ماسوا اور کوئی صلاحیت اس میں نہیں۔

مگر مصیبت یہ تھی کہ اس تقسیم کو صلاحیّت اور طبعی استعداد پر موقوف نہیں رکھا گیا۔ بلکہ اُس کا مدار نسل پر ہو گیا۔ برہمن کا بیٹا برہمن قرار دیا گیا۔ خواہ وہ اپنے اخلاق میں چنڈال سے بدتر ہو۔ شودر کا بیٹا شودر ہی رہا۔ خواہ اس کی فطرت کتنی ہی پاکیزہ کیوں نہ ہو۔

بہرحال اس غُرور اور نخوت نے صرف شودر ہی کو تباہ نہ کیا۔ بلکہ اُس نے اوّلاً اُونچی جاتیوں کے ماسوا جامعہ بشریت کے تمام افراد کو دائرہ انسانیت سے خارج کیا۔ اور ان تینوں ورنوں میں وہ حد بندی کر دی جو دو مختلف قوموں میں بھی نہیں ہو سکتی۔ آپس کا شادی بیاہ خاص خاص حدود میں محدود ہو گیا۔ کھانا پینا بھی عجیب عجیب قیود سے مقید ہو گیا۔ اور اس طرح انسانی غرور انسان کے گلے کا قابلِ نفرت طوق بن کر رہ گیا۔

یہ نعرہ ہمیشہ بلند کیا گیا اور آج بھی بلند کیا جا رہا ہے اور مہا بھارت کے میدان جنگ میں رام اور راون کی افسانہ نما جنگ میں بھی" کہ " عدم تشدد سب سے اُونچا دھرم ہے" مگر اس پر عمل کہاں تک ہوا۔

کیا ہندوستان کا چپہ چپہ برہمن اور کھشتری کی خانہ جنگیوں سے رنگین نہیں ؟ اور جب ویدانت اور علم و عرفان کا دروازہ برہم کے سوا تمام دُنیا پر بند کر دیا گیا تو دیکھو کمزور اور درماندہ لوگوں کا گروہ" بدھ" کے گرد اکٹھا ہو گیا، اور پھر تمہیں معلوم ہے کس طرح انسانی خُون کی" ہولی" کھیلی گئی۔

آج اسپین کی جنگ پر دنیا، تہذیب ماتم کر رہی ہے کہ ایک انسان کے دِل کی ٹھنڈک یہ ہے کہ اُس کے بھائی کو۔ اُس کے چچا کو ماموں، باپ یا دادا کو اُس کی آنکھوں کے سامنے ذبح کیا جائے۔

مگر تم نے ہندوستان کی تاریخ پڑھی ہو گی تو کورو پانڈوں کی جنگ رام راون کی لڑائی اور برہمن، غیر برہمن اور پھر بودھ اور غیر بودھ کی لڑائیوں میں بارہا ہندوستان کو بربادی اور تباہی کا جہنّم بنتے دیکھا ہو گا۔

جس نے بالآخر ہندوستان کو سینکڑوں ریاستوں، ہزاروں حکومتوں پر تقسیم کر دیا تھا اور ایک باپ کی اولاد کو ہزاروں ٹولیوں میں بانٹ دیا تھا۔

انسانی خُون کی ارزانی کے لیے میدانِ جنگ کا بازار ہی مخصوص نہ تھا۔ بلکہ اُس کے ماسوا عورت کے لیے اوّل سے آخر تک موت کا پھاٹک کُھلا ہُوا تھا۔

سب سے پہلے تو اُس کو جینے کا حق ہی مشکل سے دیا جاتا۔ پیدائش کے وقت ہی گلا گھونٹ دیا جاتا تھا، لیکن اگر زندہ بھی رہتی تو صرف مرد کے لیے۔ مرد کے مرنے پر مذہبی فریضہ تھا کہ وہ اپنی جان مرد کی چتا پر قربان کر دے۔ جس کو" ستی" کی مقدس رسم سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

بلا شُبہہ جانوروں کے گوشت کھانے کو کسی زمانہ میں بند کر دیا گیا، لیکن آواگون کا عقیدہ قائم کر کے ہر جانور کو مجرم روح قرار دیا گیا اور نہ صرف جانور بلکہ شودر کو بھی اسی صف میں کھڑا کر دیا گیا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے شودر اور حیوانات یا غریب آدمیوں۔ مصیبت زدہ لوگوں پر رحم و کرم کرنا۔ مجرم اور گنہگار روحوں کو اس عذاب سے نجات دلاتا ہے۔ جس کے وہ مستحق تھے اور جس سے نجات دلانا گویا سوسائٹی کو اور جُرم پر آمادہ کرنا ہے۔

تم نے بیسویں صدی کے دَور تہذیب میں ہزاروں دُکانوں پر وہ فوٹو زیبائش کے لیے آویزاں دیکھے ہوں گے جن میں کچھ عورتیں مادر زاد برہنہ ہو کر تالاب میں نہا رہی ہیں اور شری کرشن جی مہاراج اُن کے کپڑے

لے کر ایک درخت پر جا بیٹھے ہیں۔ برہنہ عورتیں اُن کی خوشامد کر رہی ہیں کہ کپڑے دے دو۔ اور وہ وہیں سے بیٹھے بیٹھے تاک رہے ہیں۔

اسی قسم کا واقعہ عرب کے ایک مشہور شاعر "امرء القیس" کا بھی ہے۔ جس کو وہ "دارجلجل" کے واقعہ سے تعبیر کرتا ہوا اپنے قصیدے میں اُس پر فخر کرتا ہے، مگر تاہم یہ فرق ضرور ہے کہ ان واقعات کے ہوتے ہوئے عرب نے امرء القیس کو مقدس انسان نہیں تسلیم کیا۔

لیکن جو قوم ایسے واقعہ کو نقل کرتے ہوئے اُس کے متعلق تقدس کے خیالات بھی قائم کرلے تو اس کی تہذیب کے متعلق کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں باقی رہ جاتی۔

آج بیسویں صدی میں اس واقعہ کو غلط کیا جارہا ہے، مگر ہمیں پانچویں صدی عیسوی کے حالات سے بحث کرنی ہے اور اس زمانہ کے اخلاق کا مرقع پیش کرنا ہے۔

لِنگ کی پوجا آج بھی ایک عجیب تہذیب کا نقشہ دُنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے اور عرب کی طرح ہندوستان کی اس بوالعجبی پر بھی حیرت زدہ ہے کہ ایک طرف وہ غرور کہ برہمن کسی کی پکائی ہوئی روٹی بھی نہیں کھا سکتا۔ اور دوسری طرف انسانیت اور شرف آدمیّت کی یہ توہین کہ اس کا مقدس سر ہر عجیب چیز کی ایڑیوں میں ٹھوکریں کھاتا پھرے۔

افسوس یہ مختصر مضمون اتنی گنجائش نہیں رکھتا کہ سولہ سو سال پیشتر کی دُنیا کا نقشہ تفصیل سے پیش کیا جائے۔ ہمارا تعلق زیادہ تر عرب اور ہندوستان سے ہے۔ ان کے مختصر حالات پیش کیے گئے۔ دُنیا کی شاندار اور مہذّب حکومتیں اس زمانہ میں دو تھیں۔ رُوم اور فارس، مگر رُوم کے "کولوسیم" ________ کے افسانے اب تک تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں۔ جس میں ہزار ہا انسان شمشیر زنی کے کمالات اور رُومی امراء کے شوق تماشا کی نذر ہو گئے۔

مہمانوں کی تفریح کے یا دوستوں کی خاطرداری کے طور پر غلاموں کو درندوں سے بھڑوا دینا یا جانوروں کی طرح ذبح کر دینا یا اُن کے جلنے کا تماشا دیکھنا یورپ اور ایشیاء کے اکثر ممالک میں کوئی معیوب بات نہ تھی۔

قیدیوں اور غلاموں کو مختلف طریقوں سے عذاب دے کر مار ڈالنا۔ اس عہد کا عام دستور تھا۔ جاہل اور خونخوار امراء سے گزر کر یُونان اور رُوما کے بڑے بڑے حکما و فلاسفہ کے اجتہادات میں بھی انسانی جانوں کو

بے قصور ہلاک کرنے کی بہت سی وحشیانہ صُورتیں جائز تھیں۔ رُومی قانُون سازوں کو اپنے قانُون کی خُصوصیت پر خاص فخر تھا کہ اس میں باپ کو اولاد پر غیر محدود اختیارات حاصل ہیں، چنانچہ بیٹے اور بیٹی کو قتل کر دینا قانُون کی نگاہ میں قابلِ باز پُرس جُرم نہ تھا۔

فارس کے "نوشیرواں عادل" کا نام مشہور ہے، مگر اُسی کے مقدس وطن میں۔ ماں بہن سے ازدواجی تعلقات قائم کر لینے میں کوئی قباحت نہ تھی۔

شاہ اور ارباب حکومت کے لیے ساری رعایا کی جان۔مال، عزّت، آبرو۔ ایک جائز چیز تھی۔ جس کے مقابلہ پر کسی ایک کو بھی دم مارنے کا حق نہ تھا۔

مختصر یہ کہ جامعہ بشر بہت پارہ پارہ ہو چُکا تھا۔

ملکی، نسلی، قبائلی۔ تقسیم نے ایک ایک گھرانے کو دوسرے سے جُدا کر دیا تھا۔ مرد اور عورت میں ایک امتیازی خلیج حائل کر دی تھی۔

صاحب اقتدار۔ اور ارباب حکومت کے سوا۔ انسانیت کا کوئی احترام باقی نہ رہا تھا۔ ایک غریب اور کمزور کے لیے دولتِ دُنیا سے حصّہ پانے کا کوئی حق نہ تھا۔ اس کے ضمیر کو آزادی کا نغمہ سُنانا بھی سب سے بڑا گناہ تھا۔

اس کے لیے یہ بھی جائز نہ تھا کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز پر اپنا مذہب اپنے حاکم کی مرضی کے خلاف اختیار کرلے۔

کسب اور عمل۔ غریب اور کمزور کا فرض یقیناً تھا، مگر اُس کے لیے نہیں اُس کے آقا کے واسطے۔ تم پانچویں۔ چھٹی۔ ساتویں صدی عیسوی کی تاریخ پڑھو اور بار بار پڑھو۔ اگر تمہارے اندر انسانیت کا کوئی درد ہے۔ رحم و کرم سے تمہاری فطرت نے حصّہ لیا ہے تو ممکن نہیں تمہارا دل اس خونین تاریخ پر نہ روئے جس کا تماشا یہ زمین اور آسمان برسہا برس تک دیکھتے رہے ہیں۔

(قسط: ۱)

شرافتِ انسانی اور ذکر اللہ

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ ۲ اکتوبر ۱۹۹۶ء بروز جمعرات شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی دعوت پر پاکستان تشریف لائے حسبِ معمول جامعہ میں قیام فرمایا۔ ۲۵ جمادی الاولیٰ بروز بدھ بعد نماز عشاء جامعہ کی مسجد میں ایک جلسۂ عام میں آپ نے خطاب فرمایا۔ آپ کا وہ خطاب کیسٹ سے نقل کر کے نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے ــــــــــ (ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

بزرگانِ محترم برادرانِ عزیز!

اللہ تعالیٰ نے یہ سارا عالم اور جو کچھ اس عالم میں پایا جاتا ہے۔ انسانوں کے لیے بنایا ہے۔

اللہ نے مخلوقات میں بنائی ہوئی چیزوں میں انسان کو سب سے زیادہ شرافت عطا کی ہے، قرآن کریم میں اللہ نے چار قسمیں کھا کر "وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ وَھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ، پورے زور سے قوت سے فرمایا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ، البتہ تحقیق ہم نے آدمی کو انسان کو سب سے بہتر معیار پر، پیمانہ پر بنایا ہے۔

اللہ نے انسان سے زیادہ شرافت کسی مخلوق کو نہیں عطا کی، اسی لیے انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے، اللہ نے انسان کو مخدوم اور مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ جو کچھ زمینوں آسمانوں میں ہے تمام چیزوں کو انسان کا بے گاری خادم بنایا ہے۔

خادم تو نوکر بھی ہوتا ہے، لیکن اس کو تنخواہ دینی پڑتی ہے، مزدور بھی ہوتا ہے اس کو مزدوری دینی پڑتی ہے، غلام بھی ہوتا تھا جو پیسے سے خریدا جاتا تھا، اسکو بھی کھانا، کپڑا، تمام ضرورتیں دینی پڑتی تھیں، اور اگر کوئی آقا غلام سے کام تو لے اور پیٹ بھر کر کھانا نہ دے اُسے ضروری کپڑا نہ دے اور دوسری ضرورتیں مہیا نہ کرے تو شرعاً غلام کو یہ حق ہے کہ قاضی کے یہاں جاکر درخواست دے دے کہ مجھ پر ظلم ہو رہا ہے مجھ سے کام لیا جاتا ہے وقت مشغول رہتا ہے۔ خدمت کرتا ہوں، لیکن پیٹ نہیں بھرتا، سردی گرمی برسات کی سہولت نہیں میسّر آتی۔ کپڑا نہیں ملتا، فلاں ضرورت فلاں ضرورت، میں پریشان ہوں اگر اُس کا یہ دعوٰی ثابت ہوجائے تو قاضی اُس کو خدمت سے آزاد کردے گا، جاؤ جب تمہاری ضرورت پوری نہیں ہوتی تو تم کو خدمت میں مشغول رہنے کی کوئی پابندی نہیں بازار جاؤ محنت مزدوری کرو، پیٹ پالو، تو غلام جیسا خریدا ہوا خادم اس کو بھی تمام ضرورتیں دینا آقا کے لیے لازمی ہے یونہی خدمت نہیں لے سکتا، مگر ان تینوں قسم کے خادموں سے کم تر نچلے درجہ کا خادم جس کو عربی میں "مُسَخَّر" اور اُردو میں بے گاری کہا جاتا ہے۔ اس کو کوئی حق نہیں پکڑ بلاتے کام لیتے، چھوڑ دیتے۔ اللہ کہتا ہے قرآن میں " اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ" اے لوگو! تم نے غور نہیں کیا، دھیان نہیں دیا، توجہ نہیں کی، دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سب کا سب تمہارے لیے خادم اور خادم بھی نوکر نہیں، مزدور نہیں۔ غلام نہیں "مُسَخَّر" بے گاری خادم بنایا، یہ چاند، سورج، ستارے، ہوائیں، بادل، پہاڑ، تمام ندی، نالے، دریا سمندر، گھاس پات درخت سارے جانور، غرض جو کچھ زمین آسمان میں ہے۔ اللہ کہتا ہے سب کا سب (تم نے غور نہیں کیا اللہ نے) تمہارے لیے خادم اور بے گاری خادم (بنایا ہے) رات دن سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے بالارادہ اور بلاارادہ تمام عالم تمہاری خدمت میں لگا ہوا ہے اور اَن گِنت انمول خدمتیں تم حاصل کرتے رہتے ہو، نفع حاصل کرتے رہتے ہو اور کسی کو کوئی قیمت کوئی معاوضہ، کوئی اُجرت کچھ دینے کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ سورج یہ روشنی، جتنی گرمی جتنی قسم قسم کی خدمتیں تمہاری کھیتی کی پھلوں کی اناج کی صحت کی جانوروں کی باغات کی اگر اس کا حساب کرکے ادا کرنے لگو تو صرف سورج کے معاوضہ کی ادائیگی تمام عمر کی کمائی سے ادا نہیں ہوسکتی۔ اللہ نے اس کو خادم بنادیا مسخّر کردیا، مجبور کردیا، ہمارا خادم ہے مخدوم نہیں ہے تو اللہ نے سارے عالم کو ہر چیز کو اس دُنیا کی انسانوں کا خادم بنایا ہے اور انسان سارے عالم کا مخدوم ہے وَ اَسْبَغَ عَلَیْکُمْ نِعَمَہٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ۝ اللہ کہتا ہے تم نے غور نہیں کیا دیکھا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اَن گِنت انمول انمول نعمتیں

چاروں طرف سے تم پر برسادی ہیں تم کو ڈھک دیا ہے۔

بھائیو اللہ کی نعمتوں کی کوئی حدو نہایت نہیں، ہم کو دیکھنے کے لیے آنکھیں دیں اندھا نہیں بنایا سُننے کے لیے کان دیئے۔ بہرا نہیں بنایا، بولنے کے لیے زبان دی گونگا نہیں بنایا، ہاتھ، پاؤں، دل، دماغ، معدہ، جگر رَگ رَگ میں جوڑ جوڑ میں انمول انمول اَن گنت نعمتیں اللہ نے عطا فرمائیں، اگر یہ آنکھیں نہ ہوتیں اور اندھے ہوتے یا خدانخواستہ کوئی آدمی (اندھا) ہوجائے تو لاکھوں کروڑوں اربوں کھربوں نہیں ساری دُنیا تمہارے ہاتھ میں ہو اور سب کچھ دے کر ایسی آنکھیں لانا چاہو کیا لا سکتے ہو کہیں سے یہ؟ جیسی اللہ نے ہر آدمی کو غریب ہو، امیر ہو، پڑھا لکھا ہو جاہل ہو گاؤنتی ہو دیہاتی ہو، شہری ہو کچھ بھی کوئی ہو سب کو اللہ نے عطا کی ہیں اور اللہ کے علاوہ کوئی فرد نہیں دے سکتا تم اور ماں باپ کیا چیز ہو اس نے زبان عطا کی۔ گونگا نہیں بنایا ایسی زبان کیا ممکن ہے ساری دُنیا دے کر بھی کہیں سے لے آؤ؟ ایسے کان ایسے ہاتھ ایسے پاؤں، ایسا دل ایسا دماغ (دیا) اور پاگل نہیں بنایا عقل اور سمجھ دی اگر وہ یہ عقل و سمجھ نہ دیتا تو دُنیا کا کوئی ہمارا نہ ہوتا اور ہم کسی کے نہ ہوتے پاگل خانہ سے ورے کہیں جگہ نہ ملتی۔

اللہ کہتا ہے۔ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝

اے لوگو اللہ کا بدلہ کیا دوگے جو انعامات اللہ نے دیئے ہیں کون ہے جو اس کا بدلہ دے سکتا ہے کیا کسی کی ہستی ہے، اللہ کی نعمتوں کا شُکر بھی تم کیا ادا کرو گے؟ ساری زندگی لگا کر بھی ادا کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے، انسانوں کو تو اس کی بھی توفیق نہیں کہ کبھی چھوٹے منہ سے (کہے) اے اللہ تیرا شکر ہے حق کیا ادا کرے گا، اللہ کہتا ہے کہ تمام دُنیا کے انسان ساری عمریں لگا کر صرف ایک کام کرنا چاہیں کہ اللہ کی نعمتوں کی گنتی (کریں)، یہ بھی نہیں کر سکتے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اگر گننا چاہو تو تم گن بھی نہیں سکتے۔ اللہ کہتا ہے کہ انسان بڑا ظُلم کرنے والا ہے اپنی بھلائی نہیں سمجھتا اس پر تیار نہیں اسکو نہیں کرتا اور بڑا نمک حرام ہے اپنے مُنعِم کو نعمت دینے والے کو سب بھلائی چاہنے والے کو (نہیں سمجھتا) سارے عالم میں سب سے بڑا محبّت کرنے والا خیر خواہ اللہ ہے، اللہ سے بڑا ہمارا مُحِب کوئی ممکن نہیں جس نے ہمیں وجود دیا عدم سے، جس نے مخلوقات میں مٹی نہیں رہنے دیا نہیں، پتّھر نہیں پانی نہیں، کوئی گدھا کُتّا، سانپ بلّی بچھو نہیں کوئی گھاس پات درخت نہیں انسان اشرف المخلوقات بنایا اگر وہ نہ بناتا تو کیا ہماری ہستی تھی؟ ہے؟ جو اس سے لڑ کر کچھ بن لیتے اس کا کرم ہے کہ اس نے ہمارے مقدر میں انسانیت لکھی پھر انسان بنا کر اندھا نہیں، آنکھوں والا، بہرا

نہیں کانوں والا ، گونگا نہیں زبان والا ، پاگل نہیں عقل والا (بنایا پھر) اس نے ہمیں ماں دی اور اس کے دل میں جنون دیا جس نے اپنی ہستی کو، جوانی کو سب کچھ مٹا کر ہم کو پال کر اس قابل بنایا یہ جنون اللہ نے نہیں دیا تو کون دے سکتا ہے اور یہ جنون نہ ہو کون پل سکتا ہے ، اللہ نے دیا، بھائی بہن دیے باپ دیا ، بیوی دی شوہر دیے اولادیں دیں جو ہے سب اللہ کا ہے اس نے دیا اور ہم بھول گئے اس کو کہ مالک کون ہے جھوٹ بولتے دعویٰ کرتے پھرتے ہیں یہ میرا یہ میرا یہ میرا پتہ چلے گا ع سب ٹھاٹ دھرا رہ جائے گا جب لاد چلے گا بنجارہ۔ جب وقت آئے گا اور ایک رتی تمہارے ہمارے ساتھ نہیں جائے گی۔ سب دوسروں کے لیے چھوڑ کر چلے جاؤ گے جیسے اُن کا نہیں تھا ویسے تمہارا نہیں ہے، ویسے اُن کا نہیں ہوگا۔ عارضی قبضہ ہے اُس عارضی قبضہ کے غرور تکبّر شوق دیوانگی میں اللہ کو بھولے بیٹھے ہو، اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھولے بیٹھے ہو، اُن کو سچ ماننے کے لیے تیّار نہیں۔ خواہشات اندھے پن، پاگل پن میں مُبتلا ہو، تو اُس میں کس کا نقصان ہے اپنی بربادی ہے۔

اللہ نہ تمہارا محتاج نہ ہمارا محتاج نہ کسی کا محتاج ، ہماری نمازیں اللہ کو نہیں چاہییں، روزہ نہیں چاہیے زکوٰۃ نہیں چاہیے، حج نہیں چاہیے، ہمارے لیے بھلائی اور بہتری کا کام ہے۔ ہماری نجات اور کامیابی کے لیے ہم کو حکم دیتا ہے اور ہم ایسا احسان رکھتے ہیں اگر کریں ، ورنہ کرنے کو تیّار نہیں ہم تو کرتے وہ ہیں جس سے ہم کو جہنّم ملے جس سے خُدا کا غضب ملے اُس کی لعنتیں برسیں، کیوں ؟ تھوڑا سا مزہ مل جاتا ہے۔ خواہش پُوری ہو جائے پھر کچھ سوچنے کو تیّار نہیں " وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلاً " اللہ سے زیادہ سچّی بات کون کہہ سکتا ہے ؟ لیکن ہمارا دل اللہ کو ماننے کو تیّار نہیں، ہم تو نفس کے، شیطان کے، دُنیا کے پجاری ہیں جس کو دیکھو ہائے دُنیا ہائے دُنیا ہائے دُنیا رات دن چوری سے ملے ڈکیتی سے ملے قتل سے ملے، رشوت ملے سود سے ملے لاٹری اور جوئے سے ملے (مل جائے) ایک منٹ کو نہیں سوچتے کہ اس کا انجام اور حشر کیا ہوگا۔

اللہ کو مانے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مانے بالکل تیّار نہیں۔ ہر ایک آدمی مجنون دیوانہ پاگل اور اللہ کی مخالفت پہ کمر بستہ (ہے) اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم پہ ایمان لانے کو تیّار نہیں، مُنہ سے انکار کرنے کی ہمّت نہیں، زندگی ساری انکار سے بھری پڑی ہے، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا، بات چیت ہر چیز حضورؐ کی دُشمنی اور مخالفت سے بھری ہوئی ہے۔ ایسی زندگی اللہ کے یہاں مانی جائے گی ؟ حضورؐ کو اس جھوٹی زندگی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔

تو بھائی آج ہمارا ایمان سچّا نہیں ہے، کاش یہ ایمان سچّا ہو جائے اور ہماری زندگی میں سما جائے برگ و بار لگیں

سرسبزی آئے اور پھل لگیں اور پھول لگیں تو ہماری زندگی بن جائے، ہمارا ایمان آخرت پر نہیں جو چودہ سو برس پہلے حضورؐ کے دشمن مکّہ کے کافر سمجھتے اور کہتے تھے آج بڑے سے بڑا ترقّی پسند وہیں پہنچا ہے، وہ کہا کرتے تھے "مَا هِیَ اِلَّا حَیٰوتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیٰی بس یہ دُنیا کی زندگی سب کچھ ہے، آئے ہو خُوب مزے کرو، کھاؤ پیو اُڑاؤ کوئی حسرت باقی نہ رہے، زنا کرو، شراب پیو، جُوا کھیلو، ڈکیتی چوری قتل سب کچھ کر ڈالو کوئی حسرت باقی نہ رہے اور مر جائیں گے ختم۔ یہ وہ کہا کرتے تھے۔ آج کا بڑے سے بڑا ترقّی پسند دُنیا کا کُتّا یہی بکتا ہے یہی سکھاتا ہے۔ یہی بتاتا ہے۔

وہ لوگ بھی کہا کرتے تھے اللہ کہتا ہے، حضورؐ فرماتے ہیں کہ موت کے بعد زندگی آئے گی حساب کتاب ہوگا نامۂ اعمال دیا جائے گا اور جنّت جہنّم سے واسطہ ہوگا، بھلا کہیں یہ ممکن ہے کہتے وہ حضورؐ کو جب ہم مر جائیں گے اور قبر میں دفن کر دیے جائیں گے اور ہمارا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ خاک میں مل جائے گا۔ ہزاروں لاکھوں برسوں کے بعد اُن مٹی کے ذرات کو بڑے بڑے طوفان سائیکلون ہوائیں اُڑا کر لاکھوں میل ریگستانوں میں کھیتوں میں جنگلات میں باغات میں پھیلا دیں گی، بارشیں ہوں گی ذرات کو بہا کر لے جائیں گی دریاؤں میں سمندروں میں اس طرح ذرہ ذرہ سارے عالم میں پھیل جائے گا کیسے ممکن ہے کہ پھر اس کو جمع کر کے زندہ کر دیا جائے۔ یہ بات نہیں ہونے والی کہتے وہ نبیِّ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھلا یہ ہو سکتا ہے۔ اللہ نے قرآن میں کہا: اے عقل کے دشمنو دیوانو! تمام عالم میں تمہارا ایک ذرہ موجود نہیں تھا کہیں کسی پہاڑ پر کسی جنگل میں کسی سمندر میں کسی دریا میں کہیں کوئی ذرہ نہیں تھا اور اللہ نے تم کو پیدا کیا بغیر ایک ذرے کے اور ظاہری اور باطنی جسمانی اور روحانی اَن گنت کمالات عطا فرمائے خُوبیاں عطا فرمائیں قوتیں عطا فرمائیں سینکڑوں چاند تم میں پیدا کر دیے لگا دیے بے مثال ہستی بنائی، جو اللہ بغیر ایک ذرے کے ایسا انسان بنا سکتا ہے ایک حکم پر وہ تمہارے ذرات کو اکٹھا کر کے دوبارہ بنا نہیں سکتا؟ کیونکہ تم نہیں کر سکتے اس لیے اللہ کا بھی انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تمہیں کوئی تصوّر نہیں وہ جب چاہے جو چاہے سب کچھ کر سکتا ہے اللہ نے ان کفّارِ مکّہ کا مذاق قرآن میں اُڑایا ہے، تو اسی خر بتے میں دلدل میں گمراہی میں آج کا سب سے بڑے سے بڑا ترقّی پسند مُبتلا ہے اور ایمان کے خلاف آخرت پر یقین نہ لا کر گمراہی اور کفر میں مُبتلا ہے تو بھائی اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک بھی نکتہ کہیں سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا جس کے مقدر میں ہوگا مانے گا جس کے مقدر میں جہنّم ہے وہ بغیر مانے مر جائے گا۔ ضروری نہیں کہ تمام انسان ہدایت پا جائیں جس کے ہدایت ہوگی مقدر میں وہ پائے گا۔ نہیں ہے

نہیں پائے گا۔

" اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ " اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے سینے کو اپنے دین کے لیے کھول دے تو جس کا شرح صدر اللہ کر دے گا۔ وہ اللہ کے نُور کی روشنی میں چلتا ہے کبھی اس کے قلب و دماغ پر ایک سیکنڈ کے لیے کوئی جھمیلہ گجلک اٹکاؤ نہیں پیدا ہوتا پُورے اطمینان کے ساتھ اللہ کے راستے پر چل رہا ہے۔ اور جس کا شرح صدر نہیں۔ اس کو گوبر میں نجاست نظر نہیں آتی اُس کو پتھر میں مجبوری اور معذوری نظر نہیں آتی، وہی پتھر جو ہزاروں برس سے نجاست میں پانی میں اور گندگی میں اور دریاؤں میں اور پہاڑوں میں پڑا رہا اور خُدا جانے اس کا کیا کیا ہُوا کس کس نے گوبر کیا پاخانہ کیا اور پیشاب کیا اسی کو آدمی لاتا ہے اسی کو گھڑتا مرتا ہے اسی کو معبود بنا دیتا ہے اور اسی سے اپنی حاجتیں مانگتا ہے جو اپنے سہارے کے لیے کسی بھی قابل نہیں محتاج ہی محتاج ہے جیسا چاہو اس کا کرو وہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتا اب وہ داتا کہاں سے بن جائے گا ؟ لیکن جب عقل اوندھی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا تو کچھ نظر نہیں آتا۔ اللہ قرآن میں کہتا ہے وَ اِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ان مشرکین کے بُت ان کی عمدہ عمدہ غذائیں اور چیزیں جو لوگ لا کر اُن کو پروستے ہیں دیتے ہیں مکھی جیسا ذلیل جانور اگر اس میں سے کوئی چیز اُٹھا لے تو یہ اُن کے معبود اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ اس مکھی سے اپنے کھانے کو چھین لیں، جو معبود اُن کا بُت، اس ذلیل جانور سے مکھی سے ایک ذرہ چھین نہیں سکتا وہ تمہاری حاجت روائی کرے گا ؟ انسان کو سوچنا تو چاہیے کس سے کیا مانگ رہا ہے جو ہر چیز میں تیرا محتاج ہے۔ خود کچھ نہیں کر سکتا۔ تیری بھلائی کرے گا۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ مانگنے والا اور دینے والا دونوں کے دونوں انتہائی ذلیل اور کمزور ہیں کسی قابل نہیں، تو بھائیو! دینے والا صرف اللہ ہے۔ اللہ کے علاوہ سب محتاج ہیں اس لیے اگر چاہتے ہو کہ بھلا ہو اور ملے تو اس سے لو لگاؤ

سیّاں انکھیاں بھیریاں بیری مُلک جہان

ٹُک جھکیاں مہردی لاکھوں کریں سلام

اللہ تعالیٰ کی کسی کی طرف سے صرف نظر کر لے توجّہ ہٹا لے بیری مُلک جہان، کوئی چاہے بھی کسی قسم کی کوئی مدد نہیں کر سکتا، کوئی ہستی نہیں اللہ کی مرضی کے خلاف کسی کے ساتھ کوئی بھلائی کر دے، ٹُک جھکیاں مہردی اللہ تھوڑی سی کرم کی نظر ڈالے مہربان ہو جائے تو لاکھوں کریں سلام کوئی ہستی نہیں دُنیا کی جو جھکنے پر مجبور نہ ہو اِس لیے

اِس کے پیچھے اُس کے پیچھے چلنے کے بجائے اللہ سے لَو لگاؤ، وہ اگر تمہارا ہو جائے پھر کسی کی بھی ضرورت نہیں، اور اُس کو نہ پُوچھو اُس سے نہ مانگو اس کے تم نہیں وہ تمہارا نہیں بھٹکتے پھرو، ساری زندگی برباد ہو جائے اور کچھ نہیں اس لیے اللہ کے ساتھ لَو لگانی چاہیے، "جو ایک ہی دَر کا ہو کے رہے اُسے کا ہے دَر دَر دُر دُر ہو" نہ دس دروازوں پر جائے اور نہ دُر دُر سُنے، ایک دروازہ ساری دُنیا اور آخرت کا سب سے بڑا دروازہ ہے جو اللہ کا دروازہ ہے۔ اگر جانا ہے تو اُس کے دَر پر جاؤ وہ تمہارا ہو جائے وہ اپنا مان لے پھر کسی کی ضرورت نہیں اور اگر اس کے دروازے کو نہیں پہنچے تو پھر زندگی بھر ٹھوکریں کھاتے پھرو کچھ حاصل نہیں، اسی لیے توحید انتہائی ضروری ہے، اللہ کو ماننے، اللہ کی پرستش، عبادت، پُوجا اور غیر سے بے تعلقی یہ بُنیاد ہے، اللہ تعالیٰ کا تعلق سب سے بڑی نعمت ہے سب سے بڑی دولت ہے یہ حاصل ہو تو انسان کو پھر کسی کی ضرورت نہیں اور یہ حاصل نہ ہو تو جتنا سوچ سمجھو مارے پھرو سب کچھ برباد بے کار تو بھائی

بابا سب سے ناتا توڑ

بابا رَبّ سے ناتا جوڑ

اگر چاہتے ہو کہ کامیابی حاصل ہو تو اللہ کے ہو جاؤ، اللہ کے ہو جاؤ تو، پھر کسی دوسرے کی ضرورت نہیں۔ انسان کے اندر ایک راجہ ہے بادشاہ ہے جیسا راجہ ویسی پرجا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فِي الْجَسَدِ مُضْغَةٌ إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ" أَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آدمی کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے ٹکڑا ہے وہ اگر ٹھیک ہو جائے سارا آدمی بن جاتا ہے ٹھیک ہو جاتا ہے اور اگر وہ گوشت کا لوتھڑا خراب ہو جائے سڑ جائے گندا ہو جائے تو سارا آدمی خراب ہو جاتا ہے، فرماتے ہیں أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ خبردار وہ گوشت کا لوتھڑا قلب ہے قلب، دِل ہے دِل، اگر یہ دل ٹھیک ہو جائے آدمی ٹھیک ہو جاتا ہے، یہ خراب ہو جائے آدمی خراب ہو جاتا ہے۔ خراب کیسے ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی گناہ کرتا ہے اس کے دل پہ کالا داغ پڑ جاتا ہے، گناہ گناہ کرتا چلا جاتا ہے کالے کالے داغ پڑنے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ سارا دِل کالا ہو جاتا ہے۔ پھر بھی گناہ کرے تو سیاہی پر داغ پڑتا ہے موٹی موٹی تہیں جم جاتی ہیں، زنگ جیسی کیفیت ہو جاتی ہے، اللہ نے کہا "كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوْبِهِمْ" اِن کے دِلوں پہ نافرمانی، گناہ حرام کی زنگ، زنگ جیسی رچیسے

ایک بات اور بتا دوں صحابہ کرام میں تین عبداللہ ہیں جو قرآن کریم سمجھنے میں سب سے زیادہ فائق ہیں، حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ وغیرہ وغیرہ صحابہ کرام جب ضرورت ہوتی تھی۔

اُن میں سے کسی کو بُلا کر پُوچھا کرتے تھے کہ قرآن میں اللہ نے یہ بات کیا کہی ہے؟ تم کیا سمجھتے ہو؟ کیا جانتے ہو؟ اس درجہ کے لوگ تھے، وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کھڑے، بیٹھے، لیٹے، کروٹوں پر تینوں حالتوں میں ذکر کرنے کا حکم دے دیا، اور انسان پوری زندگی انھی تین حالتوں پر بسر کرتا ہے۔ جب سے پیدا ہوا ہے مرنے تک کھڑے، بیٹھے، لیٹے، چوتھی حالت زندگی میں نہیں آتی، ان تینوں حالتوں میں اللہ نے حکم دے دیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ یہ چاہتا ہے کہ میرا بندہ مجھے زندگی بھر نہ بھولے یاد کرتا رہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی تعریفیں قرآن میں جگہ جگہ کی ہیں ایک جگہ اللہ تعالیٰ فخر کے ساتھ حضور کے صحابہ کی تعریف کرتا ہے

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ

یہ ایسے لوگ ہیں حضورؐ کے صحابہ کھیتی بھی، تجارت بھی، نوکری بھی، مزدوری بھی، جانور پالنا بھی، بیوی بچے گھر بار بیٹے بیٹیاں پوتے نواسے سب کچھ ہے، لیکن کوئی چیز اُن کو اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی دل بیار دست بکار سارے کام کرتے ہیں اور اللہ کے ذکر کو کسی وقت بھولتے نہیں ہر وقت ہر حال میں اللہ کا ذکر جاری ہے

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کی فخر یہ قرآن میں تعریف کرتا ہے اور یہی بات ذکر کرتا ہے لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ۔ وہ کہتا ہے کہ ان کے دل سخت نہیں پتھر کی طرح نہیں بلکہ اللہ کے خوف سے قیامت کے دن کے ڈر سے کانپتے لرزتے رہتے ہیں ہر وقت۔

لوہے پر زنگ لگتا ہے ایسی، تہمیں ان کے دِلوں پر جم جاتی ہیں ایسے آدمی کو اچھا کام اچھے لوگ اچھی بات اچھی جگہ برداشت نہیں ہوتی تھوڑی دیر بھی گزارنی دوبھر ہو جاتی ہے، کیسے بھاگے کہاں کو نکلے کہاں جائے ایسا پریشان ہوتا ہے جیسے اس کے کپڑے میں بچھو بھرے ہوئے ہیں۔ کاٹ رہے ہیں بھائی! انبیاء کرام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں سب سے غلطیاں ہوئیں اور اس کے اثر پڑے اس لیے اس کا علاج آقائے نامدار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ حضور نے فرمایا ہے "لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ اَوْ کَمَا قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہر چیز کی میل کچیل زنگ سیاہی دور کرنے کا سامان ہوتا ہے، عربی میں اس کو صِقَالَۃ" کہتے ہیں اور دِلوں کے صاف کرنے مانجنے کدورت دور کرنے سیاہی زنگ (وغیرہ دور کرنے کا بھی سامان ہوتا ہے)

دل میں صفائی ہو، خشیت ہو، خوف ہو، اللہ کا تعلق ہو یہ دل غیر سے آزاد ہو، بُت خانہ نہ بنے، سینکڑوں بُت جو بسے ہوئے ہیں وہ نکلیں، کہیں بیوی ہے کہیں شوہر ہے کہیں بیٹا ہے کہیں بیٹی ہے کہیں بھائی ہے کہیں کوئی ہے کہیں کوئی ہے۔ یہاں تک کہ کتے، بلی، گدھے، بھینس، بکری ساری دُنیا بسی ہوئی ہے اور خالی ہے تو صرف اللہ سے، یہ دل جو اللہ نے صرف اپنے لیے دیا تھا غیر کے لیے نہیں وہ سارے اغیار کی آماجگاہ محروم اللہ ہے، یہ دل اللہ سے آباد ہو غیر سے صاف ہو، بچیں، اس کا طریقہ حضور نے بتایا" وَصِقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ" دلوں کی صفائی کا سامان اللہ کا ذکر ہے، اللہ کا ذکر کرو زیادہ کرو خوب کرو یہ منجھے گا، صاف ہوگا، خوب خشیت پیدا ہوگی، قساوت دور ہوگی، اللہ کی محبت پیدا ہوگی۔ ایمانِ اصلی پیدا ہوگا، آخرت پر یقین پیدا ہوگا اور آخرت کی فکر ساتھ ساتھ رہے گی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ مسلمانوں کو ایمان والوں کو حکم دے کر ذکر کو فرض کیا ہے، اللہ قرآن میں کہتا ہے۔ "اُذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ۙ وَّ سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا ۝ اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بہت زیادہ کرو یہ تین تسبیح کافی نہیں، سب کچھ کم ہو جائے اور ذکر بڑھ جائے، اللہ کا یہ منشاء ہے ذکرِ کثیر کا حکم دیتا ہے اور اللہ کی تسبیح پاکی صبح شام بیان کرو۔

اسی طرح اللہ کہتا ہے قرآن میں فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِکُمْ لے لوگو! اللہ کا ذکر کھڑے بیٹھے لیٹے، کروٹوں پر ہر حال میں کرو، معلوم ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضورؐ کے چچازاد بھائی ہیں حضرت عباسؓ حضورؐ کے چچا ہیں اُن کے صاحبزادے ہیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضورؐ کے چچازاد بھائی وہ کہتے ہیں۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری مدظلہم (قسط: ۸)

حیلے اور بہانے

بدعتیوں کا ایک سوال کہ ممانعت دکھاؤ

(۲۵) بہت سے لوگ نہایت ہی دلیری کے ساتھ بدعتوں میں لگے رہتے ہیں اور جب اُن کو توجّہ دلائی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ اس عمل کی ممانعت دکھاؤ، یہ سوال بھی عجیب ہے۔ عمل کرنے والے پر لازم ہے کہ پہلے تحقیق کر کے عمل شروع کرے کہ شریعت میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں۔ اگر بے ثبوت کام شروع کر دیا اور دوسرے نے اس کی ممانعت نہ دکھائی تو کیا اس سے وہ کام بدعت کے حدود سے نکل جائے گا؟ یہ تو سوال وجواب ہُوا۔ سوال وجواب اور اعتراض والزام سے حقیقت تو ختم نہیں ہوجاتی جو عمل بدعت ہے وہ بدعت ہی رہے گا، پھر یہ ممانعت دکھانے کا سوال علماء سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے کرتے ہیں جو قرآن وحدیث نہیں جانتے، ہر شخص کو اپنے عمل کا ثواب اللہ تعالیٰ سے لینا ہے اور معلوم ہے کہ بدعتوں پر مواخذہ ہے اور گرفت ہے، پھر دلیل ثبوت کے بغیر کیسے عمل شروع کر دیا۔ اہلِ بدعت جن اعمال کو کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے نیک ہوگئے ہیں، حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو عمل نہیں کیا حالانکہ وہ کر سکتے تھے اور کرنے کا موقعہ تھا اس کو اہلِ بدعت بڑی دلچسپی سے کرتے ہیں، حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عید کی نماز سے پہلے سورج نکلنے کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی، یہ آپ کا نہ پڑھنا ہی اس بات کی دلیل کافی ہے کہ نمازِ عید سے پہلے نفل نہ پڑھے جائیں۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو دلیل بنایا ہے اور فرمایا ہے لِاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ مَعَ حِرْصِہٖ عَلَی الصَّلٰوۃِ" اسی طرح نمازِ عید کے لیے عہدِ نبوّت اور عہدِ صحابہ میں کبھی اذان نہیں پڑھی گئی، بس اس موقعہ پر ممنوع ہونے کے لیے

صریح واضح طریقہ پر صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے تو اس میں نئی چیزیں نکالنے کی ضرورت کیا ہے؟ دکھاؤ تو ایسے شخص کا علاج اس کے سوا کیا ہے کہ کسی مشہور پاگل خانہ میں بھیج دیا جائے۔ جب دین پورا درود شریف پڑھے اور کہنے لگے کہ ممانعت دکھاؤ، ظہر کی پانچ رکعت پڑھنے لگے اور کہنے لگے کہ ممانعت گے۔ کوئی شخص "سبحانک اللّٰھم" کی جگہ "التحیات" پڑھے اور کہنے لگے کہ ممانعت دکھاؤ۔ رکوع سجدہ میں توجن چیزوں کی ممانعت کی تصریح نہیں ہے وہ تو اصل بدعت کے اُصول پر یہ سب ثواب کا کام ہو جائیں اس پر ٹوکا تو یہ جواب دیا گیا کہ اس کی ممانعت دکھاؤ۔ اگر صریح ممانعت ہونے ہی سے اعمال ممنوع ہوتے یہی کافی ہے۔ ہندوستان کے ایک شہر میں ایک مرتبہ عید کے لیے اذان پڑھ دی گئی۔ جب اہلِ علم نے

روگردانی کریں۔ ہے کہ نئی چیزیں خود نکال کر دین میں داخل کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح سُنتوں سے کی دلیل معلوم کریں، حالانکہ دلیل سمجھنے کے قابل بھی نہیں۔ یہ سراسر حماقت و بیوقوفی ہے۔ آخر ایسی کیا مصیبت تراشیں اور جب بھرپور علم رکھنے والے علماء حق بتائیں کہ یہ بدعت ہے تو ان سے کٹ حجتی کریں اور ممانعت عمل بدعت ہے۔ عوام کے لیے یہی کافی ہے جو لوگ عالم بھی نہ ہوں، ماہرِ قرآن و حدیث نہ ہوں۔ بدعت خود اور ناجائز کا فیصلہ ہو سکتا ہے، ان اُصول کو ماہرینِ قرآن و حدیث ہی جانتے ہیں۔ ماہرین کا کہنا کہ فلاں بہت سی چیزوں سے منع فرمایا ہے اور ایسے اُصول بتا دیے ہیں کہ جن سے نئے اعمال کے بارے میں جائز چیزیں دین میں داخل ہو جائیں گی، بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں بہت سی چیزوں کا حکم دیا ہے، اور گے۔ اگر وہ سب کام جائز اور لائقِ ثواب ہوں جن کی صریح ممانعت قرآن و حدیث میں نہیں ہے تو لاکھوں اور گنہگار بھی ہوں اور آخرت میں پکڑے جاویں کیونکہ جس چیز کو نیکی سمجھیں گے اس سے توبہ کیے بغیر مرجائیں کو تیار نہ ہوں اور بلا دلیل عمل کرتے رہیں، ایسے لوگوں پر شیطان کا پورا قبضہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ عمل بھی کریں نئی چیزیں خود نکالیں اور جو شخص بتائے کہ یہ بدعت ہے اس سے کہیں کہ ممانعت دکھاؤ اور بدعت چھوڑنے

بدعت کو علماء کا اختلاف سمجھنے کا جواب

(۲۶) بہت سے لوگ جو بدعتوں میں مُبتلا ہیں وہ اس لیے بدعتوں کو نہیں چھوڑتے کہ اس کو علماء کے اختلاف پر محمول کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح چاروں مذہبوں میں اختلاف ہے اور چاروں مذہب حق ہیں

اسی طرح سے بعض فرقوں کا فروعی اختلاف ہے، ایک فریق بدعت کہتا ہے دوسرا فریق اسے اچھا بتاتا ہے اور اختلاف کی وجہ سے دونوں طرف گنجائش ہوتی ہے۔ لہٰذا ان بدعتوں کے کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

یہ بھی شیطان کا بہت بڑا دھوکہ ہے۔ اختلاف کے مواقع پر اس وقت گنجائش ہوتی ہے جبکہ اختلاف رکھنے والے دونوں طرف ائمہ مجتہدین ہوں جن کے پاس شرعی دلائل ہوں، اُن میں ہر فریق دلیل پیش کرتا ہے اور راجح و مرجوح کا فرق جانتا ہے، جو بدعتیں رواج پائے ہوتی ہیں، اُن کے بدعت ہونے میں علماءِ حق، متقی اور فکرِ آخرت رکھنے والے حضرات میں اختلاف نہیں ہے۔ کسی ایسے شخص کا اختلاف معتبر ہوتا ہے جس کے پاس قرآن و حدیث کا بھرپُور علم ہو اور وہ خواہشاتِ نفس کی وجہ سے کسی عمل کو ثواب نہ کہتا ہو، اور عوام کو راضی رکھنے کے بجائے وہ خداوند قدوس کو راضی رکھنا چاہتا ہو، ائمہ مجتہدین، اکابر علماء، ماہرینِ حدیث و فقہ فرما رہے ہوں کہ یہ بدعت ہے، لیکن ایک معمولی سی شُدبُد رکھنے والا بلکہ بالکل ہی بے پڑھا یوں کہہ دے کہ اس میں میرا اختلاف ہے تو کیا اس سے وہ مسئلہ اختلافی بن جائے گا؟ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جن کو علم کی ہوا بھی نہ لگی، خواہ وہ کیسے ہی مشہور پیر ہوں۔ یا مجلس میں رنگ جمانے والے مقرر ہوں ایسے ہی لوگ بدعتوں کے ساتھی ہیں۔ اپنی جہالت اور دُنیا داری کی وجہ سے عوام کو بھی توبہ نہیں کرنے دیتے۔ پھر یہ اختلاف کا بہانہ ان چیزوں میں تو بالکل ہی کام نہیں دے سکتا جن کے بارے میں چاروں مذہبوں کی کتابوں میں بدعت ہونا لکھا ہے۔ اہلِ بدعت کو بس اپنی نکالی ہُوئی بدعتوں کا ذوق ہے، سُنّتوں سے گھبراتے ہیں۔ بدعتوں سے چمٹتے ہیں۔ ھداھم اللہ!

(۱۱) ہم نے یہاں بدعتوں کی قباحت اور ان کے گناہ ہونے پر زور دیا ہے۔ مختلف علاقوں میں مختلف بدعتیں مرنے جینے میں۔ بیاہ شادی میں، عبادات میں رواج پائی ہُوئی ہیں، ان کی تفصیل لکھنے کے لیے مستقل کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔

اگر مشاغل سے فرصت ہُوئی تو کبھی انشاء اللہ اس موضوع پر لکھا جائے گا، لیکن بدعتوں کو بدعت سمجھنا اور بدعت سے بچنا کتاب لکھنے پر موقوف نہیں ہے جو لوگ بدعتوں میں مُبتلا ہیں اوّل تو وہ خود سمجھتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور عُلماءِ حق بھی بتاتے رہتے ہیں، ضرورت تو بدعتیں چھوڑنے اور علماء حق کی بات ماننے کی ہے نام نہاد عُلماء اور مشائخ کسی ایسی چیز کو اگر ثواب بتائیں جس کو ماہرینِ قرآن و حدیث بدعت کہتے ہوں تو عوام پر لازم ہے کہ ان سے اس کے سُنّت و ثواب ہونے کی دلیل طلب کریں۔ اِدھر اُدھر کی بات نہ مانیں

ان سے کہیں کہ قرآن و حدیث میں نہیں تو فقہ کی کتاب میں ہی نکال دو۔ اگر ایسا کریں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلدی بدعتوں سے چھٹکارا مل جائے گا۔

اصلاح کی نیت سے بدعتوں میں شرکت کی تردید

(۲۷) بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ بدعتوں میں شرکت کر لیتے ہیں یا کم از کم اس کے بدعت کہنے سے خاموش رہتے ہیں۔ جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ تم نے فلاں بدعت کو کیوں روا رکھا اور اس میں کیوں شرکت کی اور مداہنت سے کیوں کام لیا؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ان لوگوں کو آہستہ آہستہ راستہ پر لا رہا ہوں جب یہ مجھ سے مانوس ہو جائیں گے تو ان کو حقیقت سمجھا دوں گا اور بدعت سے روک دوں گا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ دوسروں کو راہ پر لانے کے لیے خود گناہ کرنا اور بدعت کے کاموں میں شریک ہونا ہرگز جائز نہیں ہے، اپنے دین پر باقی رہتے ہوئے، گناہوں سے بچتے ہوئے اور بدعتوں سے دُور رہتے ہوئے دوسروں کی اصلاح کی جائے نہ یہ کہ عوام کے ساتھ خود بدعت کی رَو میں بہہ جائے۔ گناہوں اور بدعتوں کو دیکھتا رہے اور قدرت ہوتے ہوئے روک ٹوک نہ کرے، یہ ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے، دوسروں کو راہ پر لانے کے لیے خود گناہ میں ملوّث ہو جانا یہ کوئی دینداری، سمجھ داری نہیں ہے۔ شریعت نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ جب ایک عرصہ تک خود بدعتوں میں شریک ہوتے رہیں گے یا نظروں کے سامنے بدعتیں دیکھتے ہوئے خاموش رہیں گے تو پھر اصلاح کرنے کا کوئی راستہ نہ رہے گا۔ بدعتی لوگ ہرگز نہ مانیں گے اور اُلٹا الزام دیں گے کہ یہ چیز آج بدعت ہوگئی؟ پہلے جب آپ شریک ہوتے رہے یا خاموش رہے جب بدعت نہ تھی؟ اور پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ آپ اس وقت ان لوگوں میں موجود رہیں گے جب آپ اپنے کو حق کہنے کے قابل سمجھیں گے۔

درحقیقت یہ حیلہ وہ لوگ اختیار کرتے ہیں جو اہلِ بدعت میں امامت یا مدرسی وغیرہ اختیار کر لیتے ہیں مقصود نوکری ہوتی ہے اور بدعت کو اپنی نوکری باقی رکھنے کے لیے برداشت کر لیتے ہیں اور دوسروں کو یُوں سمجھا دیتے ہیں کہ ہم جب ان کو مانوس کر لیں گے تو راہ پر لے آئیں گے۔

اندر سے دوسرا جذبہ ہوتا ہے اور ظاہری طور پر اُن کی اصلاح کا حیلہ سامنے لے آتے ہیں ہر شخص اپنا دل ٹٹولے اور خود اپنا محاسبہ کرے۔

اصلاح کا بہانہ کر کے حرام آمدنی والوں کی دعوتیں کھانا

(۲۸) بعض لوگ ایسے بھی دیکھے گئے ہیں جو لوگوں کے پاس اصلاح کرنے کے عنوان سے آتے جاتے ہیں، اور بے تکلف حرام آمدنی والوں کی دعوتیں اُڑا لیتے ہیں اور جب اُن سے اس بارے میں گفتگو کی جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ اگر ان لوگوں کی دعوت نہ کھائیں تو یہ ہم سے دور اور متنفر ہوں گے۔ پھر ان کی اصلاح کی کوئی صورت نہ رہے گی، اصلاح کے لیے خلا ملا کی ضرورت ہے۔

یہ عذر لنگ اور غلط حیلہ ہے۔ دوسروں کو راہ پر لانے کے لیے حرام کھانا جائز نہیں ہوجاتا، اپنے نفس کو حرام سے بچاتے ہوئے دوسروں کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں، حرام کھانے کا بہت بڑا وبال ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے۔ كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ السُّحْتِ كَانَتِ النَّارُ اَوْلٰى بِهٖ (یعنی جو گوشت حرام سے بڑھا ہو دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے) مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۴۲

ایسی شدید وعید ہوتے ہوئے حرام کھانے کی جُرأت کرنا اپنی جان پر سراسر ظلم ہے۔ درحقیقت بات یہ ہے کہ نفس کم کھانے یا ایک دو وقت فاقہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا، اس لیے حرام کھاتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح کا بہانہ تراشتے ہیں۔ اعاذنا اللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

غیر قوموں سے مشابہت رکھنے والوں کی دلیل کا جواب

(۲۹) بعض لوگ وضع قطع اور لباس وغیرہ میں غیروں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ اس کے لیے سخت وعید وارد ہوتی ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ[1]	اور ظالموں کی طرف مت مائل ہو۔ پس اس کی وجہ سے تم کو دوزخ کی آگ پہنچ جائے گی۔

---

[1] قال فی الکمالین: قوله ولا ترکنوا الی الذین ظلموا بموادة ای لا تمیلو بمحبة او مداهنة وهی ترك الامر بالمعروف والنهی عن المنکر اورضا باعمالهم او التشبه بهم والتزی بزیهم او ذکر بما فیه تعظیم لهم ۱۲۔

اور حدیث میں ارشاد ہے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ[1] جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ اُنھی میں سے ہے۔

لوگوں کو جب مشابہت سے منع کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ تم بھی تو روٹی کھاتے ہو، جیسے کافر لوگ کھاتے ہیں اور تم بھی تجارت و ملازمت اور صنعت و حرفت کے ذریعہ پیسہ کماتے ہو، جیسے کافر لوگ کماتے ہیں لہٰذا تم نے بھی غیروں کی مشابہت اختیار کر رکھی ہے۔ اپنے خیال میں ان لوگوں نے غیروں کی مشابہت کو جائز کرلے کے لیے بہت بڑا حیلہ تراشا ہے اور بڑے دُور کی کوڑی لائے ہیں۔

ان لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ مطلق مشابہت ممنوع نہیں ہے بلکہ وہ مشابہت حرام ہے جس سے کُفر کا شعار ظاہر ہوتا ہے اور جس سے کفّار اور فساق و فجار کی ہیئت وصُورت بنتی ہو، کافروں اور فاسقوں کی وضع قطع، شکل وصورت اور لباس میں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں ان کا طور طریق اختیار کرنا سخت ممنوع ہے اور گناہِ کبیرہ ہے، روٹی، چاول کھانا، پانی پینا، حلال روزی کے طریقے اختیار کرنا اس مشابہت میں شامل نہیں جو ممنوع ہے، لوگوں نے بیاہ شادی، رنج وغم اور مرنے جینے کے مواقع پر بہت سی رسمیں نکالی ہوئی ہیں جن میں سے بعض ہندوؤں سے اور بعض نصارٰی سے لی ہیں۔ کھانے پینے کے طور طریق میں بھی نصارٰی کو امام بنا رکھا ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقوں سے بچتے ہیں اور دُشمنوں کے طور طریق اختیار کرتے ہیں اس طرح اپنی جانوں پر ظُلم کرتے ہیں۔

دوسروں کا گناہ اپنے سر لینے کی حماقت

(۳۰) بعض لوگ دُنیاوی رسم و رواج پر دوسروں سے عمل کرانے کے لیے یا کسی بھی طرح کے گناہ میں مُبتلا کرنے کے لیے یُوں کہہ دیتے ہیں کہ تم یہ کام کرلو اس میں جو گناہ ہوگا یہ میرے ذمّہ ہے۔

اوّل تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کوئی شخص اگر کسی کا گناہ اپنے سر لینے کو کہے تو اس سے وہ گناہ کرنے والا اس گناہ کی گرفت و عذاب سے نہیں بچ سکتا، جبکہ اللہ جل شانہ نے یہ منظور نہیں فرمایا کہ "چونکہ تیرا

---

[1] رواہ احمد وابوداؤد کما فی المشکوٰۃ ص ۳۷۵

گناہ دوسرے نے اپنے اُوپر اوڑھ لیا، اس لیے تیرے سر سے گناہ اُتر گیا تو دوسرے کے گناہ کروانے سے گناہ کرکے مطمئن ہو جانا محض جہالت و حماقت ہے۔ پھر جو شخص یہ کہہ رہا ہے کہ تیرا گناہ میرے ذمّہ ہے، اس کو یہ حق کس نے دیا کہ دوسروں کے گناہ اپنے ذمّہ لے کر اس بات کا ٹھیکہ لیتا پھرے کہ تو گنہگار نہیں، تیری جگہ میں گنہگار ہوں گا۔ درحقیقت یہ ایک طرح سے عذاب دوزخ کا انکار ہے۔ چونکہ عذابِ دوزخ کا یقین نہیں اس لیے ایسی باتیں کہتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ دوزخ نانی جی کا گھر ہے وہاں جاکر لڈو ملیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جسے دوزخ کا اور گناہوں پر دوزخ میں جانے کا یقین ہو اور دوزخ کے عذاب کا علم ہو کہ اس کی آگ دنیا والی آگ سے انہتّر[۶۹] درجہ زیادہ گرم ہے وہ اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے ہی کو تیّار نہیں ہو سکتا، وہ تو ہر وقت وہاں کے عذاب کے ڈر سے سہما ہُوا رہے گا اور بار بار گناہوں سے توبہ کرے گا اور عذاب کے تصوّر سے تھرائے گا، دوسروں کے گناہ اپنے سر لینے کی ہمّت و جُرأت وہی کر سکتا ہے جسے اللہ و رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بات کے سچّا ہونے پر شک ہو۔ جو دوزخ کو اور اس کے عذاب کو تسلیم نہ کرتا ہو۔ آخرت کے میدان میں کوئی کسی کو نہ پُوچھے گا۔ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے دُور بھاگے گا، متقیوں کی دوستیوں کے علاوہ ساری دوستیاں دُشمنیوں سے تبدیل ہو جائیں گی۔ کوئی کسی کے گناہ لینے کو تیّار نہ ہوگا۔ تعجّب ہے کہ لوگ دوسروں سے گناہ کرانے کے لیے کس ڈھٹائی سے کہہ دیتے ہیں کہ تو گناہ کر لے اور تیرا گناہ میرے سر رہا۔

قرآنِ کریم میں ارشادِ باری ہے۔

سورۂ عنکبوت کی ایک آیت

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْـَٔــلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور کہنے لگے منکر، ایمان والوں سے کہ تم چلو ہماری راہ اور ہم اُٹھالیں ... تمہارے گناہ، اور وہ کچھ نہ اُٹھائیں گے ان کے گناہ، بے شک وہ جھوٹے ہیں اور البتہ اُٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے ہی بوجھ ساتھ اپنے بوجھوں کے، اور البتّہ اُن سے پُوچھ ہوگی قیامت کے دن ان باتوں کے بارے میں جو وہ جھوٹ بناتے تھے۔

کافروں نے مُسلمانوں سے یہی کہا تھا کہ تم ہمارے دین پر چلو، ہماری راہ اختیار کرنے میں اگر گناہ سمجھتے

(بر صـ ۳۰)

قسط : ۱

بنتِ حامد بن محمدؒ

حجاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ کفٰی وسلامٌ علٰی عبادہ الذین اصطفٰی امابعد

ملک و قوم کی سلامتی میں خواتین کے کردار کی اہمیّت مسلم ہے۔ ایک عورت جب دُنیا میں جنم لیتی ہے تو وہ ایک اہم کردار لے کر پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ مرد اور عورت میں بڑا فرق یہ ہے کہ ایک مرد کا بگاڑ صرف ایک مرد کا بگاڑ ہے جبکہ ایک عورت کا بگاڑ پُوری نسل کا بگاڑ اور فساد ہے اگر تمام کے تمام مرد غلط راہوں پر چل نکلیں اور عورت صراطِ مستقیم پر جمی رہے تو چند ہی سالوں میں از سرِ نو ایک صاحبِ کردار نسل تیّار کر سکتی ہے۔

عورت کی فطری لطافت و نزاکت کے پیشِ نظر اسلام عورت کی آبرو کو بھرپُور تحفّظ فراہم کرتا ہے۔ وہ عورت کی عفت و عصمت کو دُنیا کی قیمتی ترین متاع قرار دیتا ہے اور مردوں کے لیے لازم گردانتا ہے کہ وہ اس کی عصمت کا تحفّظ کریں۔ باپ بھائی، شوہر اور بیٹے سب کو اس "گھر" کا محافظ ٹھہراتا ہے۔ اسی لیے مرد کو عورت کا قوام بتایا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ" (مرد حاکم ہیں عورتوں پر)

اسی عصمت کے گھر کی حفاظت کے لیے عورت پر پردہ لازم کیا گیا۔ مرد اور عورت دونوں کو غضِّ بَصَر یعنی نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اور نہ صرف معاشرے میں مرد اور عورت کے خلا ملا کو روکا گیا، بلکہ غیر مسلم خواتین کی عزّت کی حفاظت کی بھی تاکید کی گئی۔

مستورات کے لیے حجاب و ستر کا حکم قرآن و سُنّت کے نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے اور تقریبًا تمام اہلِ حق ان پہ متفق ہیں اور انسان کی عقل بھی ان کو تسلیم کرتی ہے۔

حجاب اور ستر دو الگ الگ مسئلے ہیں۔ ان کی تعریف اور ان کے اطلاقی عمل دونوں جُدا جُدا ہیں۔ یہاں

پر ستر اور حجاب کی الگ الگ تعریف کر دینا اس لیے ضروری ہے تاکہ دونوں کے مسائل خلط ملط ہو کر شبہات پیدا نہ کریں جن سے مسائل اور احکامِ قرآن کے سمجھنے میں دشواری ہو۔

ستر: مرد اور عورت کا وہ حصّۂ بدن جس کو عربی میں عورت اور فارسی میں ستر کہتے ہیں۔ اسکا سب سے چھپانا شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے اور ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض جس پر عمل ضروری ہے۔ وہ ستر عورت یعنی اعضائے مستورہ کا چھپانا ہے اور یہ فریضہ ابتدائے آفرینش سے فرض ہے۔ بلکہ شرائع کے وجود سے بھی پہلے جب جنّت میں شجرِ ممنوعہ کھانے کے سبب حضرت آدم و حوا علیہما السّلام کا جنّتی لباس اُتر گیا تھا اور ستر کھل گیا تھا تو وہاں بھی حضرت آدم علیہ السّلام نے ستر کھلا رکھنے کو جائز نہ سمجھا تھا اور حضرت آدم و حواؑ نے جنّت کے پتّوں سے اپنا جسم (ستر) ڈھانک لیا تھا " وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ "

مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک اور عورت کا ستر پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹخنوں تک ہے اس کو ڈھانکنا اور اس کو چُھپانا مرد و عورت دونوں پر فرض ہے۔ یہ حکم ستر کا ابتداء اسلام سے بلکہ ابتداء آفرینش ہی سے تمام شرائع انبیاء میں فرض رہا ہے۔ جس میں مرد اور عورت دونوں برابر ہیں جس میں عورت کی تخصیص ہے نہ مرد کی بلکہ یہ ایک عمومی فرض ہے۔

حجاب: جبکہ حجاب یا پردہ ایک الگ مسئلہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ عورتیں اجنبی یا غیر محرم مردوں سے پردہ کریں۔ یہ مسئلہ بھی آج کا یعنی اشاعت اسلام کے وقت کا نہیں بلکہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ حضرت شعیب علیہ السّلام کی دو لڑکیاں اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لیے بستی کے کنوئیں پر گئیں۔ جہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔ تو یہ دونوں لڑکیاں ایک طرف چھپ کر کھڑی ہوگئیں۔ حضرت موسٰی علیہ السّلام کا اتّفاقی طور پر مسافرانہ انداز میں وہاں سے گزر ہوا تو ان لڑکیوں کو علیحدہ کھڑے دیکھ کر سبب دریافت کیا تو لڑکیوں نے دو باتیں بتلائیں۔

اوّل یہ کہ اس وقت یہاں پر مردوں کا ہجوم ہے۔ ہم اپنے جانوروں کو پانی اس وقت پلائیں گی جب یہ لوگ فارغ ہو کر چلے جائیں گے۔

دوسرے یہ کہ ہمارے والد ضعیف اور بیمار ہیں جس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ پانی پلانے کے لیے نکلنا عادت کے اعتبار سے عورتوں کا کام نہیں مگر بحالتِ مجبوری کسی دوسرے آدمی کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام کرنا پڑا۔ قرآنِ کریم کے ذکر کردہ اس واقعے سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں بھی اور ان کی شریعت میں بھی عورتوں اور مردوں کا دوش بدوش چلنا اور بے محابہ اختلاط پسند نہیں تھا۔

اور ایسے کام جن میں مردوں کے ساتھ اختلاط ہو عورتوں کے سپرد نہیں کیے جاتے تھے، اگرچہ عورتوں کو باقاعدہ پردہ میں رہنے کا حکم اس وقت نہیں تھا، لیکن ایک حجاب تھا جو عورتوں اور مردوں کے درمیان بات بڑھنے نہ دیتا تھا۔ ابتدائے اسلام میں بھی یہی صورت جاری تھی ۳ھ یا ۵ھ میں عورتوں پر اجنبی مردوں سے پردہ کرنا فرض کر دیا گیا۔

حاصلِ بحث یہ کہ عورتوں کو اتنا شرف اور عزت بخشنے والوں نے اس دَور میں بھی عورتوں کو اس بات کی اجازت نہ دی تھی کہ وہ آگے بڑھ آئے اور "ایکسکیوزمی" کہہ کر مردوں کے درمیان راستہ بنائے۔ بکریوں کو پانی پلائے اور چل دے اور مرد حضرات لیڈیز فرسٹ کا چکر دے کر عورتوں سے بات بڑھانے کی کوشش کریں۔ دراصل یہ حجاب ہی تھا جس نے ان لڑکیوں کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔

گویا سترِ عورت اور حجابِ نساء دو الگ الگ مسئلے ہیں۔ سترِ عورت ہمیشہ سے فرض ہے۔ حجابِ نساء ۵ھ میں فرض ہوا۔ سترِ عورت مَرد اور عورت دونوں پر فرض ہے اور حجاب صرف عورتوں پر، سترِ عورت لوگوں کے سامنے اور خلوت دونوں میں فرض ہے۔ حجاب صرف اجنبی کی موجودگی میں، یہی وجہ ہے کہ جب پردہ کے بارے میں پہلی آیت "وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ" نازل ہوئی تو اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ہو رہا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس واقعہ حجاب کو اور سب سے زیادہ اس لیے جانتا ہوں کہ مَیں اس وقت حضور علیہ السّلام کی خدمت میں موجود تھا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے مردوں کے سامنے ایک چادر وغیرہ کا پردہ ڈال کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اندر مستور کر دیا۔ یہ نہیں کیا کہ ان کو برقع اوڑھا کر وہیں بیٹھا رہنے دیا۔ گویا اس واقع سے یہ مقصود تھا کہ اُمّہات المؤمنین مردوں کی نظروں سے الگ رہیں، یہی وہ حجاب ہے جس کی بُنیاد عہدِ رسالتؐ میں پڑی جس نے بُرائیوں کی جڑیں کاٹ کر اچھائیوں اور نیکیوں کے بیج بوئے چنانچہ قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" اور (عورتیں) اپنے گھروں میں قرار پکڑیں اور تبرج نہ کریں (یعنی بن سنور کر باہر نہ نکلیں) جیساکہ جاہلیتِ اولیٰ میں عورتیں تبرج کیا کرتی تھیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اللہ اور اس کے رسول (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی اطاعت کریں۔ حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب فرماتے ہیں کہ

"آج سے کئی ہزار سال پیشتر حضرت نوح اور ادریس علیہما السّلام کے درمیانی قرون نیز زمانۂ فترۃ یعنی حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے درمیانی دَور میں جن کو قرآن کریم میں جاہلیّت الاولٰی فرمایا ہے۔ عورت کی بے حجابی و بے قیدی اپنی انتہاء تک پہنچ چکی تھی۔ ان قرون میں عورت ایک نمائش اور مفادِ عامہ کی چیز سمجھ لی گئی تھی اس کی حقیقت کسی مخفی خزانہ کی سی نہ تھی جو صرف اپنے ہی حق دار کے کام آسکے بلکہ ایک وقفی دولت کی مانند تھی جس سے ہر کس وناکس ہر حالت میں فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ عورت زیور و پارچہ اور عطریات سے آراستہ ہو کر گھر سے باہر نکلتی، مستانہ چال ڈھال اور ناز و انداز سے مردوں کو لبھاتی اپنی طرف مائل کرتی اور اس طرح ایک عورت بیک وقت اپنے شوہر اور عاشق کے درمیان استعمال کی جا سکتی تھی۔ غرض عفت و ستر و پاک دامنی کی حقیقت سے ہی نہیں، بلکہ ہر طرح کی لذّت جو وہ عورت کے ذریعے حاصل کر سکتا تھا۔ اس بے حجاب عورت کو دریغ نہ تھا۔ ماضی کی اُن اقوام کی ان ہی ناجائز نمائشوں حسن فروشیوں اور فحش کاریوں کو قرآنِ کریم نے تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ کے عنوان سے ظاہر فرمایا ہے۔"

لیکن اسلام نے عورت پر عظیم احسان کیا اور اس کو وہ عزّت و شرف کا مقام بخشا جس کے لیے دوسری اقوام کی عورتیں ترستی ہیں جنھیں حقوق تو دیے جاتے ہیں، مگر اس وقت جب وہ ایک مصنوعی مرد بن کر مردوں کی طرح ذمّہ داریوں کا بار اُٹھانے کے لیے تیّار ہو جائیں جبکہ اسلام عورت کو ایسے حقوق عطا کرتا ہے جنھوں نے اسے ذلّت و گمراہی کے گڑھوں سے نکال کر معاشرتی رفعتوں میں ہم دوشِ ثریا کر دیا۔ اسے ایسے گھر کا درجہ دیا جس کو تجوریوں میں بند رکھا جائے۔ اگر اس گھر کو باہر رکھا جائے گا تو طرح طرح کی نظریں اس پر پڑیں گی۔ کتنے ہی ہاتھوں میں آئے گا اور ہر وقت کا خدشہ یہ کہ کہیں ٹوٹ کر بکھر نہ جائے۔ اسلام نے عورت کی عزّت و تکریم کے لیے جو حقوق عطا فرمائے وہ قرآن کریم میں "سورہ نساء" بن کر جگمگا رہے، مگر آج کے دَور میں جب مغربی تہذیب کی پٹّی آنکھوں پر بندھ گئی ہے عقل و دانش کے راستے مسدود ہو گئے ہیں۔ بے پردگی بے حیائی کا ایسا سیلاب آگیا ہے جس میں نوجوان لڑکیاں، عورتیں، اُدھیڑ عمر خواتین، شادی شُدہ اور غیر شادی شُدہ سب خس و خاشاک کی طرح بہے جا رہے ہیں۔ ایسا سیلاب جو قرآن و سُنّت کے بیان کردہ راستوں کی مخالف سمت میں چل نکلا ہے اور اس راستے پر لے چلا ہے جس کا اختتام جہنّم کے گڑھے پر ہوتا ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ سوسائٹی کے جس طبقے (مردوں) کو عورتوں قوام بنایا گیا ہے۔ وہ دین سے اس درجہ ناواقف ہیں کہ یہ گمان کرتے ہیں کہ خواتین کے لیے پردے کے احکامات علمائے کرام نے (معاذ اللہ) اپنی طرف سے بنا لیے

ہیں۔ اور قرآن و سنّت میں ان کی کوئی بنیاد موجود نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ عورتوں کو گھروں میں بند رکھو۔ واقعی قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ عورتوں کو گھروں میں بند رکھو مگر مسلمان عورتوں کو یہ حکم ضرور دیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں قرار پکڑیں۔ ایسے مردوں سے میرا یہ سوال ہے کہ وہ ذرا یہ تو بتائیں کہ قرآن کریم میں یہ کہاں لکھا ہے کہ بناؤ سنگھار کر کے غیر مردوں کے ساتھ بے باکانہ گھومتی پھریں، بن ٹھن کر ناچیں گائیں اور ٹی وی پہ آئیں۔ ہاکی اور کرکٹ کھیلیں لوگوں کو پورے اہتمام کے ساتھ دعوت نظارہ دیں مگر ایسی باتوں سے ایسے حضرات کا مقصود اصلی اتباع شہوات ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا اور عورتیں اپنی ناقص العقلی کے باعث مردوں کی نفسانی خواہش کو پورا کرنے کے لیے تبرج کا سہارا لیتی ہیں اور بھول جاتی ہیں کہ اسلام عورت کی یہ تعریف کرتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والی ہو، راست باز ہو، صابر و شاکر ہو، فروتنی اور خشوع کرنے والی ہو اور گھر میں قرار پکڑنے والی، نماز پڑھنے والی، زکوٰۃ دینے والی اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والی ہو۔ یہ پہلا درجہ ہے جسے "حجاب بالبیوت" کہتے ہیں۔

○

بقیہ: حیلے اور بہانے

ہو تو تمہارے گناہوں کی ساری ذمہ داری ہم اٹھا لیتے ہیں۔ تمہارے گناہوں کا سارا بوجھ ہم اپنے سر رکھ لیں گے، اللہ تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں، ذرہ بھر بھی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔

ہاں اپنا بوجھ بڑھا رہے ہیں، اپنی سرکشی اور بغاوت اور کفر و گمراہی کا بوجھ تو ان پر ہے ہی، دوسرے کو گمراہی کی دعوت دے کر مزید اپنے بوجھ اور عذاب میں اضافہ کر رہے ہیں، جن کو گمراہی کی دعوت دی وہ ان کی بات مانے یا نہ مانے، بہرحال گمراہی کی دعوت دینے کا بوجھ تو اپنے ذمہ اٹھا ہی لیا، کسی کے گناہوں کا بوجھ وہاں اٹھانے کو تیار نہ ہوں گے، مگر ان پر دوسروں کا بوجھ لادا ضرور جائے گا اور جس نے ان کی گمراہی والی دعوت قبول کی اس کو بھی عذاب بھگتنا ہوگا۔

○

جناب ڈاکٹر محمود الحسن عارف (قسط : ۱)

تا بفلکِ خنجراب

شمالی علاقوں کا سفرنامہ

عمرِ عزیز کا سُورج بڑی تیزی اور بڑی سرعت کے ساتھ مائل بہ زوال ہے۔ چار دہائیاں گزر گئی ہیں اور جو کچھ بچا ہے اُس کے بارے میں کچھ علم نہیں کہ کتنا ہے؟ کیسا ہے اور کیونکر ہے؟ بقول غالب :

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نے پا ہے رکاب میں

زندگی کے ایّام اگر امن و آشتی اور شادی و شادکامی میں بسر ہو جائیں تو عمرِ عزیز کا سفر بہت مختصر نظر آتا ہے۔ ایک شاعر نے تو زندگی کو صرف چار دن قرار دیا ہے۔

عمرِ عزیز مانگ کر لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

ایک اور شاعر نے زندگی کو محض ایک سراب اور بلبلہ قرار دیا ہے، وہ کہتا ہے :

از لطمۂ دو موج حبابے دمیدہ است
یعنی طلسم نقش بر آب است زندگی

(دو موجوں کے باہم ٹکرانے سے ایک بلبلہ سا اُبھرا ہے، یعنی زندگی صرف پانی پر ایک نقش سے عبارت ہے۔)

بعض شعراء بڑی دُور کی کوڑی لائے ہیں اُنھوں نے زندگی کو محض خواب و خیال قرار دیا ہے۔ مثلاً

شورے شد و از خوابِ عدم چشم کشودیم
چوں دیدیم کہ باقی است شبِ فتنہ غنودیم

راک شور سا ہُوا تو ہم نے خوابِ عدم سے آنکھ کھولی۔ جب ہم نے دیکھا کہ ابھی فتنے والی رات باقی ہے تو ہم دوبارہ سو گئے۔

غالبؔ نے اس کا یُوں ترجمہ کیا ہے۔

ہے غیب غیب جس کو ہم سمجھتے ہیں شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جاگے ہیں خواب میں

لیکن اگر یہ زندگی دُکھوں اور غموں میں گزرے تو دردِ فراق کے مارے ہُوتے شاعر کو اس کا ایک ایک دن ایک ایک صدی نظر آتا ہے۔

کسے نمی گویدم از منزل آخر خبرے
صدہا بیابان گزشت و دگرے در پیش است

آخری منزل کے بارے میں کوئی شخص نہیں بتاتا، کئی سو صحرا گزر گئے ہیں اور کتنے ہی اور در پیش ہیں۔

جہاں تک غم اور خوشی کا تعلّق ہے تو جدید و قدیم تمام مفکرین اور فلاسفہ اس بات پر متفق ہیں کہ یہ انسان کا ایک ذہنی اور اندرونی معاملہ ہے، خارجی حالات اثر انداز ضرور ہوتے ہیں، مگر فیصلہ انسان کا قلب و باطن ہی کرتا ہے یعنی :

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مُردہ دِل خاک جیا کرتے ہیں

اس بارے میں قدرت نے اپنی فیاضی اور سخاوت میں کمی نہیں کی، انسان کی ساخت "اَحسنِ تقویم" بنانے کے ساتھ ساتھ، اس کو مظاہرِ فطرت کی صُورت میں ایک ایسی دُنیا عطا کر دی ہے جس کا ہر ذرہ دامنِ دل کو کھینچتا اور ہر مُردہ دل کا مداوا کرتا نظر آتا ہے، اسی لیے غالبؔ نے تنگ نظری کا علاج کثرتِ نظارہ کو تجویز کیا ہے :

حَسد سے دِل اگر فسردہ ہے گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

بہر حال کچھ ایسی باتوں کو سامنے رکھ کر اس سال پاکستان کے شمالی علاقہ جات دیکھنے اور ان کی

سیاحت کا پروگرام بنا۔ یہ سب کچھ اپنے دل مردہ کو زندہ کرنے کا بھی اک بہانہ تھا۔

مجھے ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگی عبارت ہے تیرے جینے سے

شمالی علاقہ جات کی اہمیّت

پاکستان کے شمالی علاقہ جات، اپنے حسن اپنے بانکپن اور اپنے خصوصی محل وقوع کی بناء پر دُنیا بھر کے سیاحوں کے لیے باعثِ کشش اور اُن کی توجہات کا مرکز ہیں۔ قدرت نے اس علاقے کو حُسن و رعنائی عطا کرنے میں کسی طرح بخل سے کام نہیں لیا۔ یہ علاقہ فلک پوش چوٹیوں، لہلہاتے ہُوئے باغات، گنگناتی ہُوئی ندیوں اور شور مچاتے ہُوئے دریاؤں اور اپنے باشندگان کی معصومیت کی بناء پر فطرت کا حسین شاہکار ہے اس لیے مُدّت سے آرزُو تھی کہ اس علاقے کی وادیوں کو گھُوم پھر کر دیکھا جائے تاکہ حُسن و دلفریبی سے آراستہ ان وادیوں میں ان کے پیدا کرنے والے کا حسن وجمال دیکھا جا سکے۔

مادر پیالہ عکسِ رُخِ یار دیدہ ایم
اے بے خبر زلذتِ شربِ مدام ما

(ہم تو شراب کے پیالے میں اپنے محبوب کے چہرے کی جھلک دیکھتے ہیں اے ہمارے ہمیشہ مدہوش رہنے کے راز سے بے خبر)

سالِ گزشتہ ایک مرتبہ حضرت سیّد انور حسین نفیس رقم مدظلہ (جو سلسلہ قادریہ میں رائپوری سلسلے کے سجادہ نشین اور دُنیائے اسلام کے نامور خطاط بھی ہیں) کے پاس ان علاقوں کے سفر کا تذکرہ ہُوا تو مَیں نے عرض کیا کہ اگر ممکن ہو تو رُفقائے سفر میں اس خاکسار کا نام بھی لکھ لیں، چنانچہ اجازت مل گئی۔ اس طرح چند احباب اور بھی تیار ہو گئے اور یُوں ایک چھوٹا سا قافلۂ احباب بن گیا۔ بقول اقبال۔

گئے وہ دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے راز دان اور بھی ہیں

تمہیدِ سفر

گزشتہ سال (۱۹۹۵ء) میں آغاز جولائی میں پروگرام بنا، ٹکٹ بھی خرید لیے، رفقائے سفر تمام کمربستہ

ہوکر لاہور پہنچ گئے ، مگر اسلام آباد سے قاصد پیام لایا کہ گزشتہ ۱۰ روز سے پروازوں کا سلسلہ منقطع ہے شمالی علاقوں میں موسم خراب ہے ، موسم درست ہوگا تو پھر پرواز چلے گی ۔ ورنہ نہیں ۔ یہ افسوس کی خبر تھی مگر شیراز سے آواز آئی :

تو نا اُمید ہم مباش کہ رندان بادہ خور
ناگاہ بیک خروش بمنزل رسیدہ اند

(تو نا اُمید نہ ہو کہ رندان بادہ خور اچانک ایک ہی ہلے میں منزل پر پہنچ جاتے ہیں)

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ شمالی علاقہ جات (گلگت ، سکردو) جانے کے دو راستے ہیں ایک ہوائی دوسرا زمینی ، ہوائی جہاز جو سفر ۴۵ منٹ میں طے کر لیتا ہے ۔ تیز رفتار گاڑی اسے ۱۸ تا ۲۲ گھنٹے میں طے کرتی ہے یہ اتنا طویل سفر ہے کہ عام آدمی اس کی ہمّت نہیں کر سکتا ۔ اس لیے حکومتِ پاکستان نے نہایت ارزاں نرخوں پر شمالی علاقوں کے لیے فضائی سروس شروع کر رکھی ہے ، مگر یہ سروس موسم کی خوشگواری کے ساتھ مشروط ہے اس لیے سال گزشتہ یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی تھی ۔

اس سال اواخرِ جون میں ایک دن خاکسار اپنے دفتر میں مشغول تھا کہ سیّد نفیس شاہ صاحب کا فون آیا کہ سکردو سے کوئی صاحب ہمیں لینے کے لیے تشریف لائے ہوئے ہیں اور یہ کہ باقی معاملات تم ان سے طے کرلو ۔

تھوڑی سی دیر کے بعد ایک نوجوان میرے دفتر میں آیا ، درمیانی قامت ، چمکدار آنکھیں ، یہ مولوی محمد عمر تھے ، جو جامعہ مدنیہ لاہور کے فارغ التحصیل اور سکردو کے عُلمائے دین میں سے ہیں ۔ اس نوجوان نے چند دنوں میں باقی معاملات اس خوش اسلوبی سے نمٹائے کہ دِل اس خطے کی مردم خیزی کا قائل ہوگیا ۔ یہاں ضمناً یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ شمالی علاقہ جات میں اکثر عُلمائے کرام ایسے ہیں جو جامعہ مدنیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور یہاں اشاعتِ علم میں مصروفِ عمل ہیں ۔ رفقائے سفر میں محمود سویٹ کراچی سے ، محمد یٰسین کوٹ مراد آباد قصور کے خطیب مولانا قاری محمد طیّب ہمدانی مدظلہ لاہور سے حافظ عبید اللہ ملتان سے مجیب الرحمٰن (مالک ریواڑی سویٹ) اور سیالکوٹ سے فرید الدین صاحب شامل تھے اس طرح سات آدمیوں کا یہ کارواں پاکستان کے دو صوبوں کی نمائندگی کر رہا تھا ۔ یعنی پنجاب اور سندھ کی ۔

مورخہ ۳ جولائی کو لاہور سے سفر کا آغاز ہوا اور یہ کارواں دو حصّوں میں اسلام آباد پہنچا ۔ چار

چار احباب شام کو چلنے والی ریل کار سے پہنچے، خاکسار سید نفیس شاہ صاحب اور مولانا طیب ہمدانی کے ہمراہ ایک نوجوان محمد نعیم کی گاڑی میں وہاں پہنچا جو شاہ صاحب کے خصوصی معتقدین میں سے تھا

سکردو کا سفر

سکردو فلک پوش چوٹیوں، خوب صورت مرغزاروں، لہلہاتے ہوئے باغات اور سرسبز و شاداب میدانوں میں بسا ہوا ایک خوش منظر مقام ہے جو بلتستان کا ریاستی صدر دفتر بھی ہے۔ بلتستان پانچ اضلاع پر مشتمل ایک قدیم ریاست ہے جس کا ذکر قدیم مسلمان مصنفین نے تبت خورد (چھوٹا تبت) کے نام سے کیا ہے۔ یہ علاقہ ۳۴ درجے اور ۳۶ شمال اور ۷۵ اور ۷۷ درجے مشرق میں گلگت اور لداخ کے درمیان واقع ہے اور دریائے سندھ دونوں کناروں پر کوئی ۸۵۲۲ مربع میل کے رقبے پر پھیلا ہوا ہے یہ تمام کا تمام کوہستانی علاقہ ہے جس کی کچھ چوٹیاں دُنیا کی بلند ترین چوٹیوں میں شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً گوڈون آسٹن، یعنی کے ٹو۔ اٹھائیس ہزار دو سو پچاس فٹ جسے ۱۹۵۳ء میں پہلی مرتبہ مسخر کیا گیا اور ہر موش (اونچائی چوبیس ہزار فٹ)

اس علاقے کے باشندوں کو آٹھویں صدی ہجری، چودھویں صدی عیسوی میں سری نگر کے سید علی ہمدانیؒ (م ۷۸۶ھ) اور ان کے خلیفہ سید محمد نور بخش (یا اُن کے مریدین) نے مسلمان کیا۔ یہاں کی بیشتر آبادی نوربخشی عقائد و نظریات کی حامل ہے۔ جن کے عقیدہ و عمل پر خصوصی محنت و توجہ کی ضرورت ہے دوسرے نمبر پر اثنا عشری اور آغا خانی (امامیہ) ہیں۔ اہلِ سُنّت کے پیرو بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں، ان کے اپنے مدارس، مساجد اور تعلیمی ادارے ہیں۔

یہاں کے لوگ "بلتی" زبان بولتے ہیں جو لداخی اور تبتی زبانوں کی مخلوط صورت ہے۔ اس میں عربی اور فارسی الفاظ کی آمیزش اس علاقے پر اسلامی تہذیبی اثرات کو ظاہر کرتی ہے۔

بلتستان کے قدیم حکمرانوں کو راجا یا گیالپو کہتے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور علی شیر خان ہے جس نے دسویں صدی ہجری، سولھویں صدی عیسوی میں شہرت حاصل کی۔ سکردو کا قلعہ بھی جو دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر بنا ہوا ہے، اسی کی یادگار ہے۔

۱۸۴۰ء میں آخری گیالپو احمد شاہ نے ڈوگرا جرنیل زور آور سنگھ سے شکست کھائی اور اس

طرح اس علاقے کی آزادی کا خاتمہ ہوگیا اور اس علاقے کو راجہ گلاب سنگھ نے کشمیر میں شامل کرلیا۔ ۱۸۴۶ء کے معاہدہ امرتسر کی رو سے یہ علاقہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا اور اُسے وزارتِ لدّاخ کے ماتحت کر دیا گیا۔

فروری ۱۹۴۸ء میں اس علاقے کے باشندوں نے مہاراجہ کشمیر کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور حکومت کے خلاف بغاوت کردی اور حکومتِ پاکستان سے درخواست کی کہ اُن کے علاقے کا نظم ونسق سنبھال لے، چنانچہ اس وقت سے یہ علاقہ وفاقی حکومت کے ماتحت ہے۔

اس نئے دَور میں بلتستان نے بے حد ترقّی کی ہے اور اس کے تقریباً تمام علاقوں میں سڑکوں اور شاہراہوں کا جال بچھ گیا ہے۔ مگر سیاسی طور پر ابھی تک یہ علاقہ زمین و آسمان کے مابین معلق ہے۔ اہل علاقہ کا پُرانا مطالبہ ہے کہ اس علاقے کو پاکستان میں باقاعدہ شامل کیا جائے۔ مگر حکومت پاکستان اہلِ علاقہ کے اس جائز مطالبے پر سرد مہری کا مظاہرہ کرتی آئی ہے۔ یہ تو بلتستان کے متعلّق چند ضروری باتیں تھیں۔

جبکہ سکردو (نیز اسکردو) سرینگر سے تقریباً ایک سومیل کے فاصلے پر دریائے سندھ کے کنارے، سطح سمندر سے تقریباً سات ہزار فٹ ایک چٹان (وادی) پر آباد ہے۔ ایک یورپی سیاح کی رائے میں، جو بقولِ خود سب سے پہلے یہاں آنے والا یورپی سیاح تھا۔ سکردو دراصل ساگر دو (دو دریا یعنی سندھ اور شغر) یا ساگر کھوڑ (دریا کی وادی) کا مخفف ہے۔

یہاں ایک خوش منظر شہر ہے، یہاں کے تاریخی آثار میں سے ایک گیالپو علی شیر خان کا تعمیر کردہ قدیم قلعہ قابلِ ذکر ہے۔

ہمارا سات رکنی قافلہ اسلام آباد میں مری روڈ پر واقع ادارہ علوم اسلامیہ میں جمع ہوا، رات وہاں سکون سے گزری، صبح سویرے ادارے کی گاڑی نے ایئرپورٹ پر پہنچا دیا، گویا منزل لیلیٰ میں قدم رکھنے کی ہم نے اوّلین شرط پُوری کردی تھی۔

در رہِ منزلِ لیلیٰ خطرہ ہاست بجاں ۔ شرطِ اوّل قدم آنست کہ مجنوں باشی

قسط ۱۴ مضامینِ علمیہ

تحفۂ اصلاحی

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر "تدبّر القرآن" کے علاوہ اُصولِ تفسیر میں "مبادی تدبّر قرآن" اور اُصولِ حدیث میں "مبادی تدبّرِ حدیث" بھی لکھی ہیں۔ اصلاحی صاحب کے مبادی اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ع

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

اپنے سلسلہ مبادی میں انہوں نے جو گل افشانیاں کی ہیں وہ مدلّل ابطال اور احقاقِ حق کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔ دُعا ہے اللہ تعالیٰ اس کو اصلاحِ احوال کا ذریعہ بنائے آمین

(۲) امین احسن اصلاحی صاحب کا طریقِ تفسیر

امین احسن اصلاحی صاحب سلف کا طریقہ تفسیر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"انہی وجوہ سے سلف کا طریقۂ تفسیر یہ رہا ہے کہ پہلے وہ قرآن کو خود قرآن کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتے، اس کے بعد اگر کوئی مشکل باقی رہ جاتی تو اس کا حل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال میں تلاش کرتے۔ اس کے بعد بھی اگر معاملہ کا کوئی گوشہ محتاجِ توضیح رہ جاتا تو اس کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کے آثار و اقوال سے مدد لیتے۔ کیونکہ قرآن مجید جن لوگوں کے حالات و واقعات پر اُترا اور جن کو اس نے سب سے پہلے مخاطب کیا وہ قرآن مجید کے اسرار و حکم اور اس کے رموز و حقائق کو جس خوبی کے ساتھ سمجھ سکتے تھے اس خوبی کے ساتھ دوسرے لوگ جن کو وہ حالات میسّر نہیں ہیں کسی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ علامہ سیوطیؒ اتقان میں تفسیر کا طریقہ یہ بتاتے ہیں۔

"قال العلماء من اراد تفسير الكتاب العزيز طلبه اولا من القراٰن فما اجمل منه فى مكان فقد فسر فى موضع آخر وما اختصر فى مكان فقد بسط فى موضع آخر منه - وقد الف ابن الجوزى كتابا فيما اجمل فى القراٰن وفسر فى موضع آخر منه وقد اشرت الى امثلة منه فى نوع المجمل فان اعياه ذلك طلبه من السنة فانها شارحة للقراٰن وموضحة له وقد قال الشافعى رضى الله عنه كلما حكم به رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو مما فهمه من القراٰن- قال الله تعالىٰ انا انزلنا اليك الكتٰب بالحق لتحكم بين الناس بما اراك الله فى آيات اخرو قال صلى الله عليه وسلم الا انى اوتيت القراٰن ومثلَه معه يعنى السنةَ فان لم يجده من السنة ترجع الى اقوال الصحابة فانهم ادرٰى بذلك لِمَا شاهدوْ من القرائن والاحوال عند نزوله ولما اختصوابه من الفهم التام والعلم الصحيح والعمل الصالح-

عُلماء نے کہا ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی تفسیر کرنا چاہیے وہ قرآن مجید سے تفسیر کرے اس میں جو چیز ایک جگہ مجمل ہے دوسری جگہ اس کی تفسیر کردی گئی ہے اور جوبات ایک جگہ مختصر ہے دوسرے مقام پر بالکل مفصل ہے۔ ابن جوزی نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں قرآن کی ان تمام آیات سے تعرض کیا ہے جو ایک جگہ مجمل اور دوسری جگہ مفصل ہیں اور میں نے خود مجمل کے بیان میں اسکی بعض مثالوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اگر کہیں اس میں کامیابی نہ ہو (یعنی قرآن کی تفسیر خود قرآن سے نہ ہوسکے) تو سُنّت میں اُس کی تفسیر تلاش کرے کیونکہ سُنّت قران کی شارح اور مفسِر ہے۔ حضرت امام شافعی نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلعم کے تمام فیصلے قرآن مجید سے مستنبط ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ بیشک ہم نے اُتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھائے تجھے اللہ آنحضرت صلعم نے فرمایا مجھے قرآن دیا گیا اور اسی کے مثل اس کے ساتھ یعنی سُنّت پس اگر سُنّت میں بھی نہ پائے تو صحابہ رضؓ کے اقوال کی طرف متوجہ ہو وہ اس کے سب سے بڑھ کر جاننے والے ہیں۔ اس لیے کہ اُنھوں نے نزول قرآن کے وقت تمام قرائن و حالات کا خود مشاہدہ کیا ہے۔ نیز فہم کامل اور علم صحیح و عمل صالح سے بھی آراستہ ہے۔

تفسیر کا یہ طریقہ بالکل فطری ہے۔ اصلی چیز خود قرآن مجید کے الفاظ اور اس کی اپنی توضیحات ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّت ہے اور تیسرا درجہ اقوال صحابہ کا ہے

اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جو لوگ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تشریحات اور صحابہ کے اقوال کی روشنی میں قرآن مجید کو سمجھنا چاہتے ہیں اس میں تفسیر کے لیے اصل الاصول خود قرآن مجید کے الفاظ اور اس کی توضیحات ہی کو قرار دیا گیا ہے کہ القرآن یفسر بعضه بعضا ہاں اگر کوئی بات ایسی ہے جو خود قرآن مجید سے صاف نہیں ہو رہی تو اس کے لیے آدمی کہاں جائے۔ ایک آزاد خیال سے آزاد خیال آدمی بھی اس سوال کا جواب یہی دے گا کہ ایسی مشکلات میں بہترین رہنمائی سُنّتِ رسول اور اقوالِ صحابہ کی رہنمائی ہی سے ہو سکتی ہے . . . لیکن اس رہنمائی کی صورت کیا ہو گی ؟ یہ ہو گی کہ ایک آیت پر اس کے الفاظ کی روشنی میں پوری طرح غور کیا ———— قرآن مجید میں جو آیات اس کی مماثل ہیں اُن کی روشنی میں بھی اس کو اچھی طرح دیکھ لیا۔ سیاق وسباق اور عمود و نظم کے پہلو سے بھی اس پر نگاہ ڈال لی، لیکن ان تمام باتوں کے بعد بھی پوری تشفی نہیں ہوتی۔ الفاظ کچھ چاہتے ہیں، لیکن صاف نہیں معلوم ہوتا کیا چاہتے ہیں۔ اب ہم احادیث اور اقوال صحابہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کوئی ایسی بات پا لیتے ہیں جس سے اس آیت کا تمام عالم روشن ہو جاتا ہے، الفاظ کو اس کے بعد کسی بات کا انتظار نہیں رہ جاتا، نظم اور سیاق کلام سب کا حق ادا ہو جاتا ہے تو اس بات کو اگر وہ صحیح طریقہ سے منقول ہو گی قبول کر لیں گے۔

(مبادی تدبر قرآن ص ۱۴۵ تا ص ۱۴۷)

اصلاحی صاحب نے سلف کے طریقۂ تفسیر کو اتقان کے حوالے سے ذکر کیا اور اس کو فطری قرار دیا اور اپنی طویل عبارت سے یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ وہ بھی اسی طریقہ پر کاربند ہیں، لیکن ہمیں اسلاف کے طریقۂ تفسیر اور اصلاحی صاحب کے طریقۂ تفسیر میں کچھ فرق نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلاف تو حدیث کو اس کے مرتبہ میں قرآن کا شارح اور موضح سمجھتے تھے اور جہاں قرآن کی تفسیر قرآن سے نہ ہو سکتی ہو وہاں حدیث کو ہی مفسر قرار دیتے تھے۔ اس کے برخلاف اصلاحی صاحب حدیث کو قرآن کا شارح و مفسر نہیں مانتے بلکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ جہاں قرآن کی قرآن سے تفسیر کرنے میں کامیابی نہ ہو وہاں ہم قرآن کی تفسیر کرنے میں حدیث سے مدد تو لیں گے، لیکن حدیث کو تفسیر و شارح کے طور پر نہیں لیں گے اور یہ مدد بھی اس لیے نہیں کہ حدیث کو تفسیر میں دخل ہے بلکہ محض اس لیے کہ اپنے غور و فکر سے جس نتیجہ تک

ہم پہنچے ہیں اور اس کے بارے میں کچھ کھٹک ہے تو وہ کھٹک دُور ہو جائے۔

اصلاحی صاحب کے طریق تفسیر کی وجہ

امین احسن اصلاحی صاحب نے سلف کے طریقہ سے جو یہ لطیف انحراف کیا ہے تو اس کی وجہ وہ خود یہ بتاتے ہیں کہ الفاظ قرآن کی دلالت قطعی ہے۔ جبکہ حدیث (خبر واحد) ظنی ہے لکھتے ہیں۔

"اگر ان روایات کی تحقیق و تنقید کر کے ان کے اندر جو مغز ہے اس کو الگ بھی کیا جا سکے جب بھی تنہا انہی کو تفسیر میں فیصلہ کُن چیز قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ یہ روایات صحّت کے معیار پر پُوری اُترنے کے بعد بھی ظن کے شائبہ سے پاک نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس لیے اگر قرآن مجید کی تفسیر میں تنہا انہی کو فیصلہ کُن چیز مان لیا جائے تو قرآن مجید کی قطعیت کو نقصان پہنچے گا۔ اور یہ چیز کسی طرح بھی گوارا نہیں کی جا سکتی۔ دوسرے دلائل و شواہد کے ساتھ مل کر تو بلا شُبہہ یہ روایات قرآن مجید کے صحیح مفہوم کی تعیین میں بہت زیادہ مددگار ہو سکتی ہیں، لیکن تنہا انہی کی مدد سے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا"۔

(مبادی تدبر قرآن ص۱۶۶)

قرآن کے قطعی الدلالۃ ہونے سے اصلاحی صاحب کی کیا مُراد ہے؟ اس کی وضاحت اُنھوں نے رسالہ تدبّر میں اس طرح کی۔

"فہم قرآن کے لیے ایک اور اُصول جس کو ماننا ضروری ہے یہ ہے کہ "قرآن قطعی الدلالۃ ہے" یعنی قرآن مجید کے الفاظ کے لغوی معانی ان کے مفہوم کی طرف ٹھیک ٹھیک رہنمائی کرتے ہیں یہ بات نہیں ہے کہ قرآن مجید نے جو لفظ استعمال کیا ہو وہ اگرچہ ایک خاص معنی دے رہا ہو، لیکن قرآن اس کو نظر انداز کر کے مراد اس سے مختلف لے رہا ہو۔ یا قرآن کا بیان بادی النظر میں تو ہر قاری کو کچھ معلوم ہوتا ہو۔ لیکن اصل میں قرآن کا مفہوم اس سے مختلف ہو جو ہر پڑھنے والا اس سے سمجھتا ہے۔" (تدبّر نمبر ۶ ص۱۲)

حاصل یہ ہے کہ اسلاف اور اصلاحی صاحب کے درمیان تفسیر میں حدیث کو جو درجہ دینے میں فرق ہے اس کی بنیاد یہ ہے کہ اصلاحی صاحب کے نزدیک قرآن (علی العموم) قطعی الدلالۃ ہے۔

اصلاحی صاحب کی غلطی

اَب ہم یہ بتائیں گے کہ قرآن کو علی العموم قطعی الدلالۃ کہنا صحیح نہیں اور جب قرآن کا علی العموم قطعی الدلالۃ ہونا ثابت نہ ہوگا تو بعض مقامات میں وہ ظنی الدلالۃ ہوگا اور ایسے مقامات میں تنہا ایسی حدیث کو اس کی تفسیر میں ذکر کرنا جو کسی دینی اُصول کے خلاف

نہ ہو، دیگر تاویلات و تحقیقات کے مقابلے میں اولیٰ ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ قرآن کے "قطعی الدلالۃ" ہونے کے ضمن میں اصلاحی صاحب نے دو باتیں کہی ہیں۔

(۱) یہ بات نہیں ہے کہ قرآن مجید نے جو لفظ استعمال کیا ہو وہ اگرچہ ایک خاص معنی دے رہا ہو، لیکن قرآن اس کو نظر انداز کر کے مراد اس سے مختلف لے رہا ہو۔

(۲) یہ بات نہیں ہے کہ قرآن کا بیان بادی النظر میں تو ہر قاری کو کچھ معلوم ہوتا ہو، لیکن اصل میں قرآن کا مفہوم اس سے مختلف ہو جو ہر پڑھنے والا اس سے سمجھتا ہے۔

کلام کی وہ صورتیں جن میں صرف ایک ہی معنی و مفہوم کا احتمال ہو یا اور مفہوم کا احتمال تو ہو لیکن کلام میں ایسے قوی قرائن موجود ہوں کہ دیگر احتمالات کی گنجائش ہی سرے سے نہ چھوڑی ہو تو ان میں تو اصلاحی صاحب کی ان دو باتوں کو دخل حاصل ہے، لیکن کلام کی صرف یہی دو صورتیں نہیں ہوتیں۔ بعض اوقات کلام ایسا ہوتا ہے کہ قوی قرائن نہ ہونے کی بناء پر اس میں ایک سے زیادہ احتمالات ہوتے ہیں مثلاً جب کہ لفظ مشترک ہو یا ذوجہتین ہو۔ اور قرآن مجید میں بھی ایسی صورتیں موجود ہیں۔ اس بات کو ہم چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔

ا۔ لفظ قروء لسان العرب میں ہے۔

قرء۔ والقرء والقرء : الحیض، والطھر ضد۔ وذلک ان القرء الوقت فقد یکون للحیض والطھر۔ قال ابوعبید : القرء یصلح للحیض والطھر و فی الحدیث دعی الصلاۃ ایام اقرائک حدیث میں ہے اپنے حیض کے دنوں میں نماز چھوڑ دے۔

وقال الاعشیٰ　　اعشیٰ نے کہا۔

مورثۃ مالا و فی الحی رفعۃ لما ضاع فیھا من قروء نسائکا۔	یہ کوششیں تجھے مال اور قبیلے میں بلندی ورفعت دلانے والی ہیں۔ کیونکہ ان میں تیری عورتوں کے اطہار ضائع ہوئے
وصح عن عائشۃ وابن عمر رضی اللہ عنھما انھما قالا الاقراء والقروء الاطھار وحقق ھذا اللفظ من کلام العرب	حضرت عائشہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت ہے کہ انھوں نے کہا اقراء اور قروء سے مراد طہر ہیں۔ کلام عرب میں اس لفظ کی تحقیق اعشیٰ کے

قول الاعشی ع لما ضاع فیھا من قروء نسائکا فالقروء ھنا الاطھار لا الحیض لان النساء انما یوتین فی اطھار ھن لا فی حیضھن فانما ضاع بغیبتہ عنھن اطھار ھن

قول سے ہوتی ہے، ع (تیری عورتوں کے طہر کے ان میں ضائع ہونے کی وجہ سے) قروء یہاں طہر کے معنی میں ہے حیض کے معنی میں نہیں۔ کیونکہ عورتوں سے جماع ان کے اطہار میں کیا جاتا ہے، ان کے حیض کے دوران نہیں پس محض اس کی عدم موجودگی کی بناء پر ان کے اطہار (پاکی کے ایام) ضائع ہوگئے۔

قال ابن الاثیر۔

ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وھو من الاضداد یقع علی الطھر و یقع علی الحیض... والاصل فی القرء الوقت المعلوم ولذلک وقع علی الضدین لان لکل منھا وقتا۔

یہ لفظ اضداد میں سے ہے، طہر پر بھی واقع ہوتا ہے اور حیض پر بھی... قرء کا اصل معنی وقت معلوم ہے، اسی وجہ سے یہ دو متضاد معنوں میں بولا جاتا ہے۔ کیونکہ دونوں (یعنی حیض اور طہر) کے لیے وقت معلوم یعنی (معین) ہوتا ہے۔

قرآن پاک میں قروء کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ لسان العرب کے مندرجہ بالا حوالوں سے معلوم ہوا کہ حیض و طہر دونوں میں یکساں اس کا استعمال ہے، حدیث میں اس کا استعمال حیض کے معنی میں ہوا ہے اور اعشیٰ کے کلام میں طہر کے معنی میں۔ قرآن پاک میں کوئی ایسا قطعی قرینہ موجود نہیں کہ ان دو میں سے ہم کسی ایک معنی کو دوسرے کے احتمال کے بغیر متعین کر سکیں۔ مفسرین اور فقہاء میں سے اپنے اپنے ترجیحی دلائل کی بناء پر بعض نے قرآن پاک میں مستعمل قروء سے حیض مراد لیا ہے اور بعض نے طہر۔ قطعی طور پر ہم ایک فریق کو حق پر اور دوسرے کو باطل پر نہیں کہہ سکتے۔ ایک فریق کا گمان غالب ہے کہ اس کا اختیار کردہ معنی اس مقام پر مراد ہے، لیکن یہ احتمال بھی ہے کہ وہ خطا پر ہو اور یہاں دوسرا معنی مراد ہو۔ ایسی ہی صورتِ حال میں ہم کہتے ہیں کہ لفظ کی اس سے معنی مراد پر دلالت ظنی ہے۔

دوسری مثال لانے سے پیشتر ہم اس مقام سے متعلق اصلاحی صاحب کی غلطی واضح کرتے ہیں۔

اصلاحی صاحب رسالہ تدبر نمبر ۶ ص ۱۴ میں لکھتے ہیں۔

"الفاظ قرآن کی دلالت کو ظنی قرار دینے کی دوسری وجہ یہ بھی ہوتی کہ چند نادر الفاظ کے معنی متعین

کرنے میں کچھ اختلاف ہُوا جس کو اہلِ تاویل رفع نہ کرسکے۔ مثلاً لفظ قروء کے معنی ایک گروہ کے نزدیک طہر کے ہَیں اور دوسرے کے نزدیک حیض کے ہَیں۔ ہر گروہ کے پاس اپنے اپنے دلائل ہَیں۔ اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ اس لفظ کی دلالت اپنے معنی پر قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ اسی طرح کے اختلافات کی بنا پر بعض لوگوں نے وضع کر دیا کہ قرآن مجید کے الفاظ کی دلالت اپنے معانی پر ظنی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک بدترین قسم کی سوفسطائیت ہے... الخ

بعض الفاظ کے معانی میں اختلاف ہر زبان میں ہوتا ہے۔ یہ اختلافات طے کرنے کے لیے اُصول بنے ہُوتے ہَیں۔ اہلِ زبان اُن اُصولوں کی روشنی میں یہ اختلاف طے کر لیتے ہَیں۔ مثلاً اُردو کے کسی لفظ کے معنی میں اختلاف ہوگا تو ہم یہ دیکھیں گے کہ دلی کی زبان میں یہ لفظ کس معنی میں بولا گیا۔ غالبؔ یا داغؔ نے اس کو کس مفہوم میں استعمال کیا اور اگر دلّی اور لکھنؤ کا اختلاف ہوگا تو دیکھیں گے کہ دلّی میں کس معنی میں استعمال ہوتا ہے اور لکھنؤ کے معتبر ادیبوں کے ہاں وہ کس معنی میں استعمال ہُوا ہے۔ اس طرح سے لفظ کے معنی صحیح متعین ہو جاتے ہَیں۔ علیٰ ہذالقیاس اگر ہمیں عربی کے کسی لفظ کے بارے میں مشکل پیش آتی ہے تو ہم لسان العرب دیکھتے ہَیں اگر اس میں اہلِ لغت مختلف ہوتے ہَیں تو اُس کے شواہد پر نظر ڈالتے ہَیں اور دیکھتے ہَیں کہ قریش کی ٹکسالی زبان میں اس کا کیا مفہوم ہے۔ امرؤ القیس نے اسے کیسے استعمال کیا ہے۔ زہیر نے کیا معنی لیے ہَیں۔ دوسرے مستند شعراء کے ہاں وہ کس طرح استعمال ہُوا ہے۔ پھر جس معنی کی تائید میں دلائل پاتے ہَیں۔ اُس کو ترجیح دیتے ہَیں اور اگر قرآن مجید میں اس کی نظیر مل جائے تب تو کسی اور دلیل کی حاجت ہی نہیں رہتی کیونکہ اس سے بڑی کوئی دلیل نہیں۔ قرآن اعلیٰ عربی اَدب کا سب سے مستند ماخذ ہے"۔

لفظ قرء کے اعتبار سے اصلاحی صاحب کی یہ ساری عبارت بے کار ہے کیونکہ لسان العرب کے حوالے سے ہم دکھا چکے ہَیں کہ یہ لفظ عربی زبان میں مشترک ہے اور اس کے مشترک ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ جس کو اُصول کی روشنی میں طے کیا جائے۔ آخر دیکھیے کہ لسان العرب کے مذکورہ حوالہ میں درج حدیث کے علاوہ اصلاحی صاحب خود اپنی تفسیر تدبّرِ قرآن میں قروء کے حیض کے معنی کو ترجیح دیتے ہَیں جبکہ اعشیٰ کے شعر میں یہ طہر کے معنی میں استعمال ہُوا ہے۔ لہٰذا اصلاحی صاحب کی مذکورہ بالا عبارت اور تدبّرِ قرآن جلد ا ص ۴۸۸ میں درج یہ عبارت "قروء قرء کی جمع۔ اس کے معنی کی تعیین میں اہلِ لغت نے اختلاف کیا ہے۔

بعض نے اس کے معنی حیض کے لیے ہیں اور بعض نے طہر کے" سرے سے ہی غلط ہے۔ اس میں اختلاف اہلِ لغت کا نہیں ہے بلکہ اس پر تو اہلِ لغت اور اہلِ تفسیر و اہلِ فقہ متفق ہیں کہ یہ دونوں ہی معنی میں مستعمل ہے، البتہ قرآن پاک میں یہ کس معنی میں استعمال ہوا ہے؟ کسی قطعی دلیل کی عدم موجودگی کی بناء پر اس مقام میں مراد کی تعیین میں اختلاف ہوا ہے، لیکن چونکہ کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔ لہٰذا ایک مراد لینے والا دوسری مراد لینے والے کو قطعی طور پر غلط نہیں کہہ سکتا اور احتمال ہے کہ نفس الامر میں دوسرا معنی مُراد ہو۔

اور اگر ہم اصلاحی صاحب کی وہ بات بھی اختیار کرلیں جو اُنھوں نے تدبّر قرآن میں ذکر کی ہے کہ "اس کے اصل مادہ اور اس کے مشتقات پر ہم نے جس قدر غور کیا ہے اسی سے ہمارا رجحان اسی بات کی طرف ہے کہ اس کے اصل معنی تو حیض ہی کے ہیں، لیکن چونکہ ہر حیض کے ساتھ طہر لازمًا لگا ہُوا ہے اس وجہ سے عام بول چال میں اس سے طہر کو بھی تعبیر کر دیتے ہیں۔" (تدبّر قرآن ص ۴۸۸ ج ۱)

یعنی یہ کہ لفظ قرء مشترک نہیں ہے بلکہ اس کا حقیقی معنی حیض ہے اور مجازی معنی طہر ہے تب بھی معاملہ ظنی الدلالۃ ہونے سے بلند نہیں ہوتا کیونکہ یہ مسئلہ پھر باقی رہے گا کہ قرآن پاک میں مذکور قروء کا استعمال اس کے حقیقی معنی میں ہُوا ہے یا مجازی معنی میں ہُوا ہے۔ محض قرآن پاک میں مذکور ہونے کی وجہ سے حقیقی معنی کو ترجیح حاصل نہیں ہوتی۔ اور آپ کے پاس کوئی قطعی دلائل نہیں ہیں جن کی بناء پر آپ دوسرا معنی مُراد لینے کو قطعی طور پر غلط کہہ سکیں اور جیسا کہ ہم نے اُوپر ذکر کیا ایسی ہی صُورتِ حال میں ہم کہتے ہیں کہ لفظ کی اپنے معنی پر دلالت ظنی ہے قطعی نہیں۔

(۱۱) لفظ کلالہ اس لفظ کے بارے میں علّامہ زمخشری کشاف میں لکھتے ہیں۔

فان قلت ما الکلالۃ؟ قلت ینطلق علی ثلاثۃ علی من لم یخلف ولد اولا والدا وعلی من لیس بولد ولا والد من المخلفین۔ وعلی القرابۃ من غیر جھۃ الولد والوالد۔

اگر تو پُوچھے کہ کلالہ سے کیا مراد ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ کلالہ کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے ایک وہ شخص جس نے اپنے پیچھے نہ اولاد کو چھوڑا ہو اور نہ والد کو دوسرے وہ شخص جو پسماندگان میں سے نہ اولاد ہو اور نہ والد ہو۔ تیسرے وہ قرابت جو اولاد و والد کی جانب سے نہ ہو۔ (بقیہ بر ص ۶۲)

حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

صدقہ سے شفاءِ امراض

ہماری بداعمالیوں کے سبب روز بروز ایسے ایسے اَمراض پیدا ہوتے جا رہے ہیں جو ہمارے بڑے بُوڑھوں نے سُنے بھی نہیں تھے، پھر اُن کے علاج معالجہ میں لوگوں کے لاکھوں روپے صرف ہوتے ہیں لیکن کلیۃً شفا حاصل نہیں ہوتی جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ لوگ وہ اعمالِ بد نہیں چھوڑتے جو ان امراض کا سبب ہیں، دوسرے وہ اُن اسباب کو اختیار نہیں کرتے جن سے شفاء ملتی ہے، اگر لوگ اُن اعمالِ بد کو چھوڑ دیں جو بیماریوں کا سبب ہیں اور اُن اسباب کو اختیار کرلیں جن سے شفاء ملتی ہے تو اکثر بیماریاں ختم ہو جائیں۔

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماریوں کے دفعیہ میں جہاں دوا کو دخل ہے وہیں صدقہ و خیرات کو بھی بڑا دخل ہے۔ صدقہ کرنے سے بڑی بڑی تکالیف اور بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا

"حَصِّنُوْا اَمْوَالَکُمْ بِالزَّکٰوۃِ وَدَاوُوْا مَرْضَاکُمْ بِالصَّدَقَۃِ وَاَعِدُّوْا لِلْبَلَاءِ الدُّعَاءَ"[1]

اپنے مالوں کی قلعہ بندی (اور حفاظت) کرو زکوٰۃ کے ذریعہ اور اپنے مریضوں کا علاج کرو صدقہ و خیرات کے ذریعہ اور بلاؤں (کے دفعیہ) کے لیے دُعا (کا ہتھیار) تیار کرو۔

---

[1] مجمع الزوائد ج: ۳ ص: ۶۳

مولانا محمد عبداللہ صاحب رفیق ندوۃ المصنّفین دہلی نے اس حدیث شریف کو اپنی کتاب "انتخاب الترغیب والترہیب" میں ذکر کرکے صاحبِ کتاب علّامہ منذری رح (م ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۹ء) سے اس حدیث کے ذیل میں صدقہ سے شفاءِ امراض کے واقعات بھی نقل کیے ہیں۔ قارئین مولانا محمد عبداللہ صاحب کی زبانی اس حدیث کی تشریح اور وہ واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

"اس مضمون کی تائید ان تمام روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں صدقہ، خیرات کے ذریعہ بلاؤں اور آفتوں کا دُور ہونا اور غضبِ الٰہی کا ٹھنڈا ہونا بیان ہوا ہے حدیثِ مذکور میں خاص طور پر بیماروں کے لیے صدقے کا مفید ہونا بیان کیا گیا ہے اور بلاشبہ یہ ایک کامیاب اور مجرّب طریقۂ علاج اور شفاء حاصل کرنے کا ایک بہت مختصر اور قریبی راستہ ہے۔

مصنّفِ کتاب حافظ ذکی الدّین المنذری رح نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ مشہور امام حدیث عبداللہ بن مبارک رح کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور بیان کیا کہ میرے گھٹنے میں سات سال سے ایک پھوڑا ہے مَیں ہر قسم کا علاج کر چکا ہوں اور بہت سے طبیبوں سے مشورہ کر چکا ہوں، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ عبداللہ بن مبارک رح نے فرمایا: جاؤ اور کوئی ایسی جگہ تلاش کرو جہاں لوگوں کو پانی کی تنگی ہو اور وہاں تم ایک کنواں بنوا دو، مجھے اُمید ہے کہ اُدھر زمین سے چشمہ اُبلنا شروع ہوگا اور اِدھر ساتھ کے ساتھ تمہارا خُون بہنا بند ہوجائے گا چنانچہ اُس شخص نے ایسا ہی کیا اور بفضلہٖ تعالیٰ شفایاب ہوگیا۔

اس واقعہ کے ناقل امام بیہقی رح بیان فرماتے ہیں کہ ہمارے اُستاذ امام ابوعبداللہ حاکم رح کا بھی اسی قسم کا ایک واقعہ ہے۔ ان کے چہرے پر پھنسیاں ہوگئیں ہر طرح کا علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہُوا اور اسی میں تقریبًا ایک سال گزر گیا، ایک روز اُنھوں نے امام ابوعثمان الصابونی رح کی خدمت میں درخواست کی کہ آپ اپنی جمعہ کے روز کی مجلس میں میرے لیے دُعا فرمائیں۔ چنانچہ اُنھوں نے دُعا فرمائی اور سب

لوگوں نے خُوب توجّہ سے آمین کہی، جب دوسرا جمعہ آیا تو ایک خاتون نے مجلس میں امام ابوعثمان رحؒ کی خدمت میں ایک پرچہ پہنچایا کہ میں گزشتہ جمعہ کو جب یہاں سے گھر واپس لوٹی تو مَیں نے گھر جاکر بھی رات کو امام ابوعبداللہ حاکم رحؒ کے لیے خُوب گریہ وزاری کے ساتھ دُعا کی، اسی شب مجھے سرکارِ دو عالم حضرت محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت ہُوئی۔ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ قُوْلِیْ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ یُوَسِّعُ الْمَاءَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ۔ (ابوعبداللہ حاکم سے کہہ دینا کہ مُسلمانوں کے لیے پانی کی فراوانی کر دیں) امام بیہقی رحؒ فرماتے ہیں کہ مَیں یہ رقعہ لے کر امام ابوعبداللہ رحؒ کے پاس پہنچا اُنھوں نے پرچہ دیکھتے ہی اپنے گھر کے سامنے سبیل قائم کرنے کا حکم دیدیا، چنانچہ سبیل تعمیر ہُوئی اور وہاں پانی بھرا گیا اور برف ڈالا گیا اور لوگ پانی پینے لگے۔ بیہقی رحؒ کا بیان ہے کہ ایک ہفتہ بھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ شفاء کے آثار ظاہر ہونے لگے اور جلد ہی تمام پھنسیاں ٹھیک ہوگئیں اور چہرہ پہلے کی طرح بالکل صاف و بے داغ ہوگیا اور وہ اس کے بعد کئی سال زندہ رہے۔

ہمارے علم میں کئی ایسے لوگ ہیں جو اپنی بیماریوں اور دیگر مشکلات میں یہی طریقہ اپناتے ہیں اور اُنھیں فائدہ ہوتا ہے، بعض اہلِ علم نے بالکل درست لکھا ہے کہ دوا دارو کے مروّجہ حسّی طریقوں کے مقابلہ میں یہ طریقہ زیادہ نفع بخش ہے۔[1]

نظرِ بد کا اثر حق ہے

قرآنِ پاک میں حضرت یوسف علیہ السّلام کے واقعہ میں مذکور ہے کہ جب برادرانِ یُوسف دوسری بار غلّہ لینے کے لیے مصر جانے لگے تو ان کے والد جناب یعقوب علیہ السّلام نے اُن سے فرمایا کہ "تم سب کے سب ایک ہی

---

[1] انتخاب الترغیب والترہیب مترجم جلد دوم ص ۲۶۳

دروازے سے نہ جانا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانا[1] مفسّرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو علیحدہ علیحدہ دروازوں سے جانے کا حکم اس اندیشہ کی وجہ سے دیا تھا کہ کہیں اکٹھے جانے سے اُنھیں نظر نہ لگ جائے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی نظر لگ جانا اور اس سے کسی دوسرے انسان یا جانور وغیرہ کو تکلیف ہو جانا یا نقصان پہنچ جانا حق ہے۔ محض جاہلانہ وہم و خیال نہیں، حدیث شریف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے۔

"اِنَّ الْعَیْنَ لَتُدْخِلُ الرَّجُلَ الْقَبْرَ وَالْجَمَلَ الْقِدْرَ"[2] نظر بد انسان کو قبر میں اور اُونٹ کو ہنڈیا میں داخل کر دیتی ہے۔

حضرت سہل بن حُنیف رضؓ کو نظر لگنے کا واقعہ

"حضرت سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ ایک دن (حضرت) عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے میرے والد سہل بن حنیف رضؓ کو نہاتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ خُدا کی قسم (سہل کے جسم اور رنگ و روپ کے کیا کہنے) میں نے تو آج کے دن کی طرح (کوئی خُوب صُورت بدن کبھی) نہیں دیکھا، اور پردہ نشین (خُوب صُورت عورت) کی بھی کھال (سہل رضؓ کی کھال جیسی نازک و خوش رنگ) نہیں دیکھی، (ابو امامہ کہتے ہیں کہ عامر رضؓ کا یہ کہنا تھا کہ) ایسا محسوس ہُوا جیسے سہل رضؓ کو گرا دیا گیا۔ (یعنی ان کو عامر رضؓ کی ایسی نظر لگی کہ وہ فوراً غش کھا کر گر پڑے) اُن کو اُٹھا کر رسول کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم آپ سہل رضؓ کے علاج کے لیے کیا تجویز فرماتے ہیں،

---

[1] ۱۲ : ۶۷

[2] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۹ ص ۲۲۶

خدا کی قسم یہ تو اپنا سر بھی اٹھانے کی قدرت نہیں رکھتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (سہل رض کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ کیا کسی شخص کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ اس نے ان کو نظر لگائی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ (جی ہاں) عامر بن ربیعہ رض کے بارے میں ہمارا گمان ہے کہ ان کی نظر لگی ہے، ابو امامہ کہتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سُن کر) عامر کو بلایا، اور ان کو سخت سُست کہا اور فرمایا "عَلَامَ یَقْتُلُ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ اَلَّا بَرَّکْتَ"، تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں مار ڈالنے کے درپے ہو جاتا ہے، تم نے سہل کو برکت کی دُعا کیوں نہیں دی (یعنی اگر تمہاری نظر میں سہل رض کا بدن اور رنگ و رُوپ بھا گیا تھا تو تم نے یہ الفاظ کیوں نہ کہے "بَارَکَ اللّٰہُ عَلَیْکَ" تاکہ ان پر تمہاری نظر کا اثر نہ ہوتا) پھر آپ نے عامر رض کو حکم دیا کہ تم سہل رض کے لیے اپنے اعضاء کو دھوؤ اور اس پانی کو اُس پر ڈال دو، چنانچہ عامر رض نے ایک برتن میں اپنا مُنہ، ہاتھ، کہنیاں، گھٹنے دونوں پاؤں کی اُنگلیوں کے پورے اور زیرِ ناف جسم کو دھویا اور پھر وہ پانی سہل رض پر ڈالا گیا۔ (اس کا اثر یہ ہوا کہ سہل رض فوراً اچھے ہو گئے) اور اُٹھ کر لوگوں کے ساتھ اس طرح چل پڑے جیسے ان کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا"[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمانے کے بعد کہ تم نے سہل رض کو برکت کی دُعا کیوں نہیں دی یہ بھی فرمایا "اِنَّ الْعَیْنَ حَقٌّ"[2] نظرِ بد کا اثر حق ہے۔

علامہ قرطبی مالکی رحمہ اللہ (م ۶۷۱ھ) نے اپنی تفسیر میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی تحریر فرمایا ہے، چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

"حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک دن سواری پر سوار ہوتے تو ایک عورت اُن کی طرف دیکھ کر کہنے لگی "اِنَّ اَمِیْرَکُمْ ھٰذَا لَیَعْلَمُ اَنَّہٗ

---

[1] مؤطا امام مالک عربی ص۷۱۹ طبع نور محمد کراچی مشکوٰۃ ص۳۸۹

[2] مؤطا امام مالک ص۷۱۹

(بقیہ بر ص۶۴)

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں۔

تقریظ و تنقید

مختلف تبصرہ نگاروں کے قلم سے

نام کتاب : حکیم الامّت کے حیرت انگیز واقعات

تصنیف : مولانا محمد اسحاق صاحب

صفحات : ٨٨٤

سائز : ٣٦x٢٣ / ١٦

ناشر : ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

قیمت : درج نہیں

حکیم الامّت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں اس صدی میں دین کی خدمت زبان و قلم سے جو آپ نے کی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ ع عیاں را چہ بیاں

کم و بیش تیرہ سو کتابیں آپ کے قلم حقیقت رقم سے نکلی ہیں۔

بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس صدی کے سب سے بڑے مصنّف حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کی تصانیف کو خداوند تعالیٰ نے ایسی قبولیت عطا فرمائی ہے کہ اُن تصانیف میں سے آگے دیگر ہزاروں تصانیف کا سلسلہ چلا ہوا ہے جو چلتا ہی چلا جا رہا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب "حکیم الامّت کے حیرت انگیز واقعات" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ یہ ضخیم کتاب مولانا محمد اسحاق صاحب مالک ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور آپ کے متعلقین کی کتابوں سے مضامین اخذ کر کے خُوب صُورت انداز میں ترتیب دی ہے۔ اس کتاب میں درج ذیل دس ابواب ہیں۔ (١) مختصر سوانح۔ (٢) عدل و انصاف۔ (٣) عبدیت و فنائیت۔ (٤) اندازِ تربیت۔ (٥) قبولیت ہدیہ کے شرائط۔ (٦) اہم واقعات۔ (٧) اشرف اللطائف۔ (٨) اشرف الملفوظات۔ (٩) اشرف المعمولات (١٠) تذکرہ گلدستۂ اشرف۔

اس کتاب سے جہاں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی شخصیت، آپ کے علوم و معارف، تقویٰ و للّٰہیت کا پتہ چلتا ہے وہیں یہ کتاب قاری کے لیے اپنے اندر رشد و ہدایت کا سامان بھی رکھتی ہے۔ اگر کوئی اسے دلچسپی کے ساتھ پڑھے تو اُسے معلومات میں اضافہ کے ساتھ ساتھ خدا طلبی اور رجوع الی اللہ کی توفیق ہو سکتی ہے۔

کتاب کی کتابت وطباعت عمدہ ہے اور لیمینیشن جلد سے مزیّن ہے۔

ہم مرتّب موصوف کی توجّہ دو امر کی طرف دلانا چاہیں گے اوّل تو یہ کہ اُنھوں نے بہت سے مقامات پر حوالہ نہیں دیا کہ یہ مضمون اُنھوں نے کہاں سے لیا ہے، اس کا اہتمام ضروری ہے۔ دوم یہ کہ اس کتاب کا نام اگر "حیرت انگیز واقعات" کے بجائے "حیرت انگیز حالات" ہوتا تو مناسب تھا اس لیے کہ واقعات سے ذہن عام طور پر ان واقعات کی طرف جاتا ہے جو کشف و کرامت سے متعلّق ہوتے ہیں گو کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ صاحبِ کشف و کرامت بزرگ تھے، لیکن کتاب میں حضرت سے منسوب ایسے واقعات درج نہیں کیے گئے۔ ہاں آپ کے حالات جو کتاب میں ذکر کیے گئے ہیں۔ وہ یقیناً حیرت انگیز ہیں اس لیے ہماری نگاہ میں اس کتاب کا نام "حیرت انگیز حالات" ہونا چاہیے۔

○

نام کتاب : مجالس حکیم الاسلام (جلد دوم)

تالیف : مولانا حبیب اللہ قاسمی

صفحات : ۳۴۴

سائز : $\frac{۳۶\times۲۳}{۱۶}$

ناشر : ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

قیمت : درج نہیں

"مجالس حکیم الاسلام" جلد اوّل پر راقم الحروف کے قلم سے تبصرہ گزر چکا ہے اُسے ملاحظہ کر لیا جائے اس وقت ہمارے پیشِ نظر "مجالسِ حکیم الاسلام" کی دوسری جلد ہے، یہ جلد حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیّب صاحب رحمہ اللہ کی ۱۵ مجالس میں بیان کیے گئے ارشادات و فرمودات کا حسین گلدستہ ہے جو رنگا رنگ پھولوں سے مزیّن ہے، پہلے یہ کتاب دیوبند سے شائع ہوئی تھی۔ اسی کا عکس لے کر ادارہ "تالیفات اشرفیہ ملتان کی طرف سے دوبارہ شائع کی گئی ہے۔ خُوب صُورت لیمینیشن جلد، عمدہ کتابت وطباعت کے ساتھ

یہ کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

○

نام کتاب: اسلامی شادی

تالیف : مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری

صفحات : ۳۴۴

سائز : ۳۶×۲۳/۱۶

ناشر : ادارہ تالیفات اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

قیمت : درج نہیں

حضرت مولانا مفتی محمد زید صاحب مظاہری نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی سینکڑوں کتابوں سے مضامین منتخب کر کے بہت سی قیمتی کتابیں ترتیب دی ہیں اُنہی میں سے ایک کتاب "اسلامی شادی" بھی ہے جو اپنے موضوع پر قابلِ قدر کتاب ہے۔ سرِورق پر کتاب کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے۔

"نکاح کی اہمیت اور اُس کے فضائل، بیوی کی اہمیت اور اُس کے فوائد
لڑکے اور لڑکی کا انتخاب، شادی کس عمر میں کرنی چاہیے، جہیز کا بیان،
بارات اور شادی کا اسلامی طریقہ، شادیوں کے بعض منکرات، اسلامی شادی
کا دستور العمل، تعددِ ازواج، احکام معاشرت، غسل و طہارت کے مسائل اور
اس جیسے عنوانات پر بہترین کتاب۔"

راقم الحروف نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے، یقیناً یہ کتاب اس لائق ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے اور اُس کے مطابق عمل کیا جائے۔ خوب صورت کمپیوٹر کتابت اور لیمینیشن جلد کے ساتھ یہ کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

○

نام کتاب : تعلیمی چہل حدیث

تصنیف : مولانا محمد وحید الدین قاسمی

صفحات : ۱۰۲

سائز : $\frac{۳۶ \times ۲۳}{۱۶}$

ناشر : ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان

قیمت : درج نہیں

زیرِ نظر کتاب میں تعلیم سے متعلّق آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے چالیس ارشادات کو جمع کرکے اُن کا نہایت خُوب صُورت انداز میں ترجمہ اور تشریح کی گئی ہے۔ جس سے حصول علم کا جذبہ اور اس پر عمل کا داعیہ پیدا ہوتا ہے جو کتاب کا اصل مقصد ہے، شروع میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمّد طیّب صاحب رحمہ اللہ کے قلمِ حقیقت رقم سے لکھا ہُوا کتاب کا تعارف بھی درج کیا گیا ہے، حضرت حکیم الاسلام رح نے کتاب کے ساتھ ساتھ مصنّف کا تعارف بھی کروادیا ہے۔

کتاب کی ضرورت کے بارے میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"اس تعلیمی چہل حدیث کی تدوین کا خود میرا ارادہ تھا، بلکہ اُسے عمل میں لانے کے لیے احادیث کے مآخذوں کی یادداشت بھی مرتّب کر لی تھی، لیکن عزیز ممدوح کے اِس کارِ خیر کو عمل میں لے آنے سے الحمد للہ کہ میرا جذبہ پُورا ہوگیا"[1]

خُوب صُورت کتابت وطباعت، عمدہ کاغذ اور کارڈ کور کے ساتھ یہ کتاب مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

○

نام کتاب : آسان رزق

تصنیف : صوفی عبدالرحمٰن صاحب

صفحات : ۷۲

سائز : $\frac{۳۰ \times ۲۰}{۱۶}$

ناشر : طیّب اکیڈمی بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

قیمت : درج نہیں

زیرِ تبصرہ کتابچہ میں روزی سے متعلّق اسلامی ہدایات پیش کی گئی ہیں۔ مصنّف نے رسالہ کو سات

---

[1] تعلیمی چہل حدیث ص۱۱

ابواب میں تقسیم کرکے پہلے باب میں روزی کی تلاش دوسرے میں روزی میں برکت و ترقی کے اسباب تیسرے میں تنگی و مفلسی چوتھے میں روزی کی تدبیر پانچویں میں دُعا کی فضیلت چھٹے میں بہت سی دُعائیں اور ساتویں میں روزی کا انجام وغیرہ امور سے متعلق تفصیل ذکر کی ہے، شروع میں حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ اور حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کی تقاریظ درج ہیں۔ کتابت طباعت عمدہ ہے۔

ن ــــــ ا

○

بقیہ: تحفۂ اصلاحی

اس مقام میں کوئی ایسی قطعی دلیل موجود نہیں کہ ہم کسی ایک معنی کو متعین کردیں اور دوسرے معنی کے مراد لینے کو غلطی قرار دیں۔ عُلماء نے اپنی اپنی ترجیحات کے مطابق معنی اختیار کیا ہے۔ ایسی ہی صُورتِ حال میں ہم کہتے ہیں کہ لفظ کی اپنے معنی پر دلالت ظنی ہے۔

بقیہ: حاصلِ مطالعہ

أَهْضَمُ الْكَشْحَيْنِ" کہ تمہارے یہ سردار تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی پتلی کمر والے ہیں، آپ گھر پہنچے تو غش کھاکر گر پڑے، آپ کو بتلایا گیا کہ فلاں عورت نے ایسی ایسی بات کہی تھی، آپ نے اُسے پیغام بھیجا کہ اپنے اعضاء دھوکر اس کا پانی بھیجو، چنانچہ اُس نے اپنے اعضاء کو دھوکر پانی بھیجا۔[1]

ان احادیثِ مُبارکہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی خوب صُورت انسان یا حیوان یا کسی اچھّی چیز کو دیکھے تو بَارَكَ اللّٰهُ یا مَاشَاءَ اللّٰهُ کہہ دے اس طرح وہ چیز نظرِ بد سے محفوظ ہوجائے گی اور کسی کو کسی کی نظر لگ جائے، تو جس کی نظر لگی ہے اس کے اعضاء وضوء کو دُھلوا کر جسے نظر لگی ہے اس کی پشت کی طرف سے سر پر بہادیا جائے۔

---

[1] الجامع لاحکام القرآن ج ٩ ص ٢٢٦

جامعہ مدنیہ لاہور کیلئے تعاون کی اپیل

جامعہ مدنیہ لاہور کا شمار ملک کے عظیم دینی اداروں میں ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء ۷۵ھ میں ہوئی تھی۔ گویا اِس وقت جامعہ زندگی کی ۳۹ بہاریں پوری کر کے چالیسویں میں داخل ہو رہا ہے۔ بحمداللہ اس عرصہ میں جامعہ سے سینکڑوں علماء اور کثیر تعداد میں حفاظ و قراء تیّار ہوئے۔ بفضلہ تعالیٰ جامعہ میں درسِ نظامی درجاتِ تکمیل اور درجاتِ تجوید و قرأت عشرہ و حفظ و ناظرہ و دینیات کا مکمّل انتظام ہے۔ حتّٰی کہ طِب کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ طلبہ خوشنویسی بھی سیکھتے ہیں۔

اس سال تقریباً ۹۳۷ طلبہ نے قابل و لائق اساتذہ کی زیرِ نگرانی مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کی، اُن میں ایک سو سے زائد طلبہ کے خورد و نوش و ظائف کپڑوں اور دیگر جملہ مصارف کا جامعہ کفیل رہا، لیکن گزشتہ چند سالوں میں ہوشربا گرانی نے اس درجہ پریشانی پیدا کر دی ہے کہ سب کارکنانِ مدرسہ اس بارے میں متفکر ہیں۔

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ علومِ اسلامیہ کا یہ عظیم مرکز بیش از بیش علمی خدمات انجام دے اور مہمانانِ رسول ان قدسی علوم سے بہرہ ور ہوتے رہیں تو آپ خود بھی اس نیک کام میں پوری قوّت سے مدد کیجیے اور اپنے احباب کو بھی اس کارِ خیر میں حصّہ لینے کی ترغیب دیجیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب سے اپنے دینِ متین کی بیش از بیش خدمت لیں۔ آمین

ہم ہیں آپ کے مخلص

اراکینِ جامعہ مدنیہ، لاہور